بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست

حالات امام مسلم بن حجاج قشیریؒ

شمار	عنوانات	صفحات
۱	عرضِ مرتب	۹
۲	حالات امام مسلمؒ : نام ونسب	۱۰
۳	شہر نیشاپور	۱۱
۴	دنیائے اسلام میں سب سے پہلا دار العلوم	۱۲
۵	امام مسلمؒ کا سنِ ولادت	۱۲
۶	طلبِ علم	۱۳
۷	رحلتِ علمیہ	۱۳
۸	امام مسلمؒ کے مشایخ واساتذہ	۱۳ و ۱۴
۹	کفارۂ مجلس کی حدیث	۱۵
۱۰	امام ذُہلی اور بخاری میں اختلاف	۱۷
۱۱	ایک سوال: مسلم نے بخاری وغیرہ کی سخت تردید کیوں کی؟ اوراسکا جواب	۱۹
۱۲	حضرت گنگوہیؒ کا جواب	۱۹
۱۳	شیخ عبدالفتاح ابوغدہ کی رائے یہ ہے کہ علی بن مدینی ہی مراد ہیں، بخاری نہیں	۱۹ و ۲۰
۱۴	لقاء کی شرط مطلق صحت کیلئے ہے یا صرف صحیح بخاری کیلئے؟	۲۱
۱۵	ابن رُشید کی رائے	۲۲

شمار	عنوانات	صفحات
۱۶	السنن الابین کے محشی کی رائے	۲۲
۱۷	کیا صرف مسلم کی شرط پر جو حدیثیں ہیں وہ صحیح ہیں؟ جواب	۲۳
۱۸	حافظ کا مسلم کو جواب	۲۳
۱۹	صحیح مسلم کی سب حدیثیں صحیح ہیں	۲۳
۲۰	ایک ضروری تنبیہ	۲۴
۲۱	مدلّسین کی روایت بخاری ومسلم میں	۲۵
۲۲	صحیحین پر مستخرجات کا فائدہ	۲۷
۲۳	امام مسلم کے قول کے مؤیدین	۲۸
۲۴	ابن رجب کا کلام	۲۸
۲۵	روایت میں سماع کا ذکر کبھی خطا ہوتا ہے	۲۹
۲۶	امام مسلم کے مؤیدین	۲۸ تا ۳۲
۲۷	علامہ شبیراحمد عثمانیؒ کی تقریر مسلم کی تائید میں	۳۲
۲۸	ایک سوال اوراس کا جواب	۳۵
۲۹	سخاوی کا قول اوراس کا جواب	۳۷
۳۰	امام نووی کا قول اوراس کا جواب	۳۷ و ۳۸
۳۱	علامہ امیر یمانی کا قول توضیح الافکار میں مولانا شبیراحمد عثمانیؒ کا مؤید ہے	۳۸
۳۲	امیر یمانی کی ایک اورنفیس بات	۳۸
۳۳	امام مسلمؒ نے سخت لب ولہجہ کیوں اختیار کیا	۳۹
۳۴	علامہ عثمانیؒ کی بہترین توجیہ	۴۰

شمار	عنوانات	صفحات
۳۵	اس کی اور مثالیں	۴۰
۳۶	ابن عباسؓ کا قول نوف بِکالی کے بارے میں	۴۲
۳۷	حافظ کی توجیہ	۴۲
۳۸	علامہ عثمانیؒ کی بہترین تقریر	۴۳
۳۹	اجماع المحدثین : شیخ شریف حاتم	۴۴
۴۰	کتاب کے مضامین کا مختصر خلاصہ	۴۴
۴۱	امام بخاریؒ کا یہ مذہب کہاں سے معلوم ہوا؟	۴۵
۴۲	امام مسلم کی طرح کئی علماء نے اجماع نقل کیا کہ معاصرت کافی ہے	۴۷
۴۳	بخاری کے یہاں بھی صرف معاصرت کافی ہے	۴۸
۴۴	الاتصال والانقطاع : شیخ ابراہیم عبداللہ لاحم	۴۹
۴۵	علماء کی چار قسمیں	۴۹
۴۶	نصوص کی چار قسمیں	۵۱
۴۷	امام مسلم کے تلامذہ	۵۲
۴۸	امام مسلمؒ کا حلیہ مبارک اور عمامہ	۵۳
۴۹	اخلاق و عادات	۵۳
۵۰	آپ کی شان میں تعریفی کلمات	۵۴
۵۱	امام کی وفات کا عجیب واقعہ	۵۷
۵۲	امام مسلم کا مسلک	۵۸
۵۳	ایک تنبیہ: مجتہد فی المذہب کے بارے میں	۶۰

شمار	عنوانات	صفحات
۵۴	امام مسلم کی تصنیفات	۶۱
۵۵	صحیح مسلم : تالیف کا محرک	۶۳
۵۶	مقصد تالیف	۶۳
۵۷	زمانۂ تالیف	۶۴
۵۸	صحیح مسلم کی قبولیت	۶۶
۵۹	صحیح مسلم کی صحت	۶۶
۶۰	ما اجمعوا سے کیا مراد ہے؟	۶۷
۶۱	صحیح مسلم جامع ہے یا نہیں؟	۷۰
۶۲	تعداد روایات صحیح مسلم	۷۲
۶۳	کتب و ابواب وتراجم کی تعداد	۷۳
۶۴	صحیح مسلم کی خصوصیات	۷۳
۶۵	صحیح مسلم کے شرائط	۸۰
۶۶	حاکمؒ وبیہقیؒ کا قول	۸۱
۶۷	قاضی عیاضؒ کی رائے	۸۱
۶۸	حافظ ابن حجرؒ کی بات	۸۳
۶۹	امام مسلمؒ پر اعتراض اور اس کا جواب	۸۵
۷۰	صحیح مسلم پر مستخرجات	۸۸
۷۱	صحیح مسلم کے رواۃ	۹۱
۷۲	**تنبیہ** :ابراہیم بن سفیان نے پوری صحیح مسلم امام مسلم سے نہیں سنی	۹۲

شمار	عنوانات	صفحات
۷۳	تین جگہوں پر انقطاع ہے، ان کا بیان	۹۲
۷۴	شروح وحواشی اور مختصرات	۹۵
۷۵	ہماری سند امام مسلم تک	۹۸
۷۶	رجال سند کا تذکرہ	۱۰۰
۷	مولانا عبدالجبار صاحب مئویؒ	۱۰۰
۷۸	علامہ حبیب الرحمٰن اعظمیؒ	۱۰۶
۷۹	علامہ شبیر احمد عثمانیؒ	۱۱۳
۸۰	شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ	۱۱۸
۸۱	شیخ محمد قاسم نانوتویؒ	۱۲۱
۸۲	شیخ رشید احمد گنگوہیؒ	۱۲۳
۸۳	شیخ عبدالغنی مجددیؒ	۱۲۷
۸۴	شیخ محمد اسحاق دہلویؒ	۱۲۹
۸۵	شیخ عبدالعزیز دہلویؒ	۱۳۰
۸۶	شاہ ولی اللہ دہلویؒ	۱۳۳
۸۷	شیخ ابو طاہر کردی مدنیؒ	۱۳۸
۸۸	شیخ ابراہیم بن حسن کردی مدنیؒ	۱۴۰
۸۹	شیخ سلطان بن احمد مزاحیؒ	۱۴۲
۹۰	شیخ احمد بن خلیل سبکی شافعیؒ	۱۴۳
۹۱	شیخ نجم الدین غیطی مصری شافعیؒ	۱۴۴

شمار	عنوانات	صفحات
۹۲	شیخ زین الدین زکریا انصاریؒ	۱۴۵
۹۳	شیخ ابن حجر عسقلانیؒ	۱۴۷
۹۴	شیخ صلاح الدین محمد بن احمد صالحی حنبلیؒ	۱۴۹
۹۵	شیخ علی بن احمد : ابن البخاریؒ	۱۵۰
۹۶	شیخ مؤید بن محمد بن علی نیشاپوری طوسیؒ	۱۵۲
۹۷	شیخ محمد بن الفضل فقیہ حرم فراوی نیشاپوری شافعیؒ	۱۵۳
۹۸	شیخ ابو الحسین عبدالغافر فسوی نیشاپوریؒ	۱۵۵
۹۹	شیخ ابو احمد محمد بن عیسی جلودی نیشاپوری سفیانیؒ	۱۵۶
۱۰۰	شیخ ابو اسحاق ابراہیم بن محمد نیشاپوری حنفیؒ	۱۵۷
۱۰۱	مصادر و مراجع	۱۵۹

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرض مرتب

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی سید
الأنبیاء و المرسلین وعلی آلہ وأصحابہ أجمعین

یہ امام مسلمؒ کا تذکرہ ہے، عند ذکر الصالحین تنزل الرحمة (ابن عیینہ) مختلف کتابوں سے استفادہ کرکے ایک ایسا مجموعہ تیار کیا گیا ہے جس سے امام مسلم کے حالات زندگی بھی معلوم ہوجائیں، انکے علمی وعملی کمالات بھی ظاہر ہوجائیں اور صحیح مسلم کی خوبیاں اوراس کی احادیث کی صحت بھی ظاہر ہوجائے، حدیثِ معنعن پر بھی حتی الوسع کافی و وافی بحث کی گئی ہے، مختلف علماء محققین کے اقوال پیش کئے گئے ہیں اوران میں ترجیح کا بھی ذکر ہے، لیکن علماء محققین کے اقوال میں قول راجح کی تعیین کوئی قطعی بات نہیں ہوتی، اختلاف تو جاری رہے گا ؎

نحن بما عندنا و أنت بما - عندک راض و الرأی مختلف

صحیح مسلم کی بارہ(١٢) خصوصیات کا بھی ذکر ہے اورامام مسلم تک ہماری سند بھی مذکور ہے اوران کا تعارف اور تذکرہ بھی، یقیناً ان کی زندگیوں میں اور علمی خدمات میں ہمارے لئے بہترین نمونہ ہے، اللہ تعالی ہم کوان کے ساتھ حشر اور جنت میں جمع فرمائے اورانکی خدمات سے استفادہ کی توفیق عطا فرمائے ۔ آمین

شروح وغیرہ کا بھی ذکر ہے، اللہ تعالی اس خدمت کو قبول فرمائے اور ذریعۂ نجات ۔

فضل الرحمٰن اعظمی آزادول ٣/جمادی الاولی ١٤٣٤ھ /١٦/ ٣/ ٢٠١٣ء

حالات امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ

ولادت ٢٠٢ھ یا ٢٠٤ھ یا ٢٠٦ھ وفات ٢٦١ھ

نام ونسب : ابوالحسین عساکرالدین مسلم بن الحجاج بن مسلم بن ورد بن کوشاذ القشیری النیسابوری رحمہ اللہ تعالے .

امام مسلمؒ قبیلۂ قشیر بن کعب بن ربیعہ بن عامر بن صعصعہ سے تعلق رکھتے تھے، اسلئے ان کو قشیری کہتے ہیں، یہ ایک بڑا قبیلہ ہے جس کی طرف بہت سے علماء منسوب ہیں . (الانساب للسمعانی ٥٠١/٤)، نیشاپور شہر کے ہیں اسلئے ان کو نیشاپوری کہتے ہیں .

(محدثین عظام اوران کی کتابوں کا تعارف ص ٧٦ ازمولانا سلیم اللہ خاں مدظلہ)

امام نوویؒ م ٦٧٦ھ لکھتے ہیں: القشیری نسباً، نیسابوریٌ وطناً، عربیٌّ صلبیة . (مقدمۂ شرح مسلم ص١٢)، نسب کے لحاظ سے قشیری ہیں، وطن کے لحاظ سے نیشاپوری ہیں، خاندان اور اصل کے لحاظ سے عربی ہیں .

امام ذہبیؒ م ٧٤٨ھ نے سیر اعلام النبلاء میں یہ لکھا : فلعلّہ من موالی قشیر .
(٥٥٨/١٢)

شاید قشیر کے موالی میں سے تھے، موالی کی شرح بھی نہیں کی، ولاء کے کئی مطلب ہوتے ہیں، کون مراد ہے، ولاء عتق یا ولاء موالاۃ ؟ اور صیغہ بھی جزم کا نہیں. واللہ اعلم

عساکرالدین امام مسلم کا لقب ہے. (بستان المحدثین ۱۷۷ اردو)

شہر نیشاپور : صوبہ خراسان ملک ایران

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ۳۱ھ میں مجاہدینِ اسلام اہل نیشاپور سے صلح کر کے اس میں داخل ہوئے، اور کہا گیا ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں فتح ہوا احنف بن قیس کے ہاتھ، پھر حضرت عثمانؓ کے عہد میں نکل گیا تو دوبارہ حضرت عثمانؓ نے عبداللہ بن عامرؓ کو بھیجا اور انھوں نے فتح کیا اور وہاں جامع مسجد بھی بنائی، اس کا بانی شاہ پور بتایا جاتا ہے، اس علاقہ سے اسکا گزر ہوا تو اس نے کہا اچھی جگہ ہے، یہاں شہر بسانا چاہئے، اسی کی طرف نسبت کر کے اس کا نام شاہ پور ہو گیا.

اصل میں نِہ شاہ پور تھا، اور نِہ کا مطلب ہوتا ہے شہر، یعنی شاہ پور کا شہر، پھر ہاء کو یاء سے تبدیل کر دیا گیا اور نیشاپور ہو گیا.

نیشاپورؔ خراسان کے مشہور شہروں میں سر فہرست تھا، اس میں مختلف قسم کی معدنیات موجود تھیں اور اس کے باشندے خوشحال زندگی بسر کرتے تھے، ابوالعباس زوزنی (جنکو مامونی کہتے ہیں) نے فرمایا: **ليس في الأرض مثل نيشاپور ، بلد طيب و رب غفور .**

۶۱۸ھ میں جب چنگیز خاں کے لشکر نے شہر نیشاپور کا محاصرہ کیا تو شہر والوں میں سے کسی نے تیر چلایا وہ چنگیز خاں کے داماد کو لگا اور وہ مر گیا اس کے بعد چنگیز خاں نے خود آ کر اس شہر پر حملہ کیا اور اس کے لشکر نے شہر کو برباد کر دیا، اس کے بعد اس شہر کو کبھی وہ مقام و شرف حاصل نہ ہوا، اب بھی وہ شہر ہے مگر بہت چھوٹا، کبھی اس کی آبادی دس لاکھ تھی اب پچاس ہزار بھی نہیں ہو گی، دینی اور علمی و روحانی وہ رونق بھی نہیں جو پہلے تھی. (دیکھئے معجم البلدان

۳۳۲/۵ وغیاث اللغات ۵۳۶) (محدثین عظام ص ۷۷ از مولانا سلیم اللہ خاں مدظلہ)

علامہ تاج الدین سبکی نیشاپور کے بارے میں لکھتے ہیں : **قد كانت نيسابور من أجلّ البلاد و أعظمِها لم يكن بعد بغداد مثلها.** (طبقات الشافعیۃ الکبری ۱/۱۷۳)

نیشاپور بڑے اور عظیم شہروں سے تھا، بغداد کے بعد اس جیسا کوئی شہر نہیں تھا.

یاقوت حموی نے فرمایا : **معدن الفضلاء و منبع العلماء قد خرج منها من أئمة العلم من لا يحصى .** (معجم البلدان ۳۳۲/۵)

فضلاء کی کان اور علماء کا سرچشمہ ہے وہاں سے بے شمار علم کے ائمہ نکلے.

دنیائے اسلام میں سب سے پہلا دارالعلوم

مشہور یہ ہے کہ دنیائے اسلام میں سب سے پہلا مدرسہ بغداد کا مدرسہ نظامیہ ہے، لیکن صحیح یہ ہے کہ مدرسہ بیہقیہ نیشاپور کو اس پر تقدم حاصل ہے، نظامیہ بغداد سے پہلے نیشاپور میں کئی دارالعلوم قائم ہو چکے تھے، ان میں نظامیہ نیشاپور، سعدیہ، نصریہ کا نام لیا جا سکتا ہے.

امام الحرمین (استاذ غزالی) م ۴۷۸ھ نے اسی مدرسہ بیہقیہ میں تعلیم حاصل کی تھی، شیخ ابو حفص حداد م ۲۷۰ھ، ابو محمد مرتعش، م ۳۲۳ھ، ابو علی ثقفی م ۳۲۸ھ، اسحاق بن راہویہ م ۲۳۸ھ، عمر خیام وغیرہ اسی سرزمین نیشاپور کے مدارس کے فیض یافتگاں ہیں، امام مسلمؒ کے والد حجاج بھی نیشاپور کے مشائخ میں سے تھے. (محدثین عظام اور انکی کتابوں کا تعارف مولانا سلیم اللہ خاں صاحب ص ۷۷)

امام مسلمؒ کا سن ولادت : ۲۰۴ھ یا ۲۰۶ھ

حافظ ذہبیؒ متوفی ۷۴۸ھ نے امام مسلمؒ کا سن ولادت یقال کے ذریعہ ۲۰۴ھ بتایا ہے.

(تذکرۃ الحفاظ ۲/۱۲۵) اور سیر اعلام النبلاء میں قیل سے .

ابن کثیر م ۷۷۴ھ نے فرمایا: **وکان مولده فی السنة التی توفی فیها الشافعیؒ و هی سنة أربع و مائتین و کان عمره سبعا و خمسین** رحمہ اللہ تعالے. (البدایہ و النھایہ ۱۲/۱۰۴)، امام مسلمؒ کی پیدائش ۲۰۴ھ میں ہوئی جس سال امام شافعیؒ کی وفات ہوئی، عمر شریف ۵۷ سال تھی اللہ تعالی ان پر رحم فرمائے.

ابن خلّکان نے ۲۰۶ھ کو راجح قرار دیا. (وفیات الأعیان ۵/۱۹۵)

علامہ ابن اثیر جزری نے بھی مقدمۂ جامع الاصول میں اس کی تصریح کی. (جامع الاصول ۱/۱۸۷)، امام نوویؒ نے حاکم سے نقل کیا کہ امام مسلمؒ کی وفات رجب ۲۶۱ھ میں پچپن (۵۵) سال کی عمر میں ہوئی. (مقدمہ شرح مسلم ص۱۲) اس طرح ولادت ۲۰۶ھ میں بنتی ہے .

طلب علم :

امام ذہبیؒ لکھتے ہیں کہ مسلم کا سب سے پہلا سماع ۲۱۸ھ میں یحی بن یحی تمیمی سے ہوا. (سیر اعلام النبلاء ۱۲/۵۵۸ وتذکرہ الحفاظ ۲/۱۲۵)، اس وقت امام مسلم کی عمر بقول ذہبی ۱۴ سال ہوگی ، کیونکہ وہ ولادت ۲۰۴ھ میں مانتے ہیں .

سیر اعلام النبلاء میں لکھتے ہیں: ۲۲۰ھ میں حج کیا، اس وقت امرد تھے، مکہ مکرمہ میں امام قعنبی سے سماع کیا وہ امام مسلم کے سب سے بڑے شیخ ہیں. (سیر ۱۲/۵۵۸)

امام نوویؒ م ۶۷۶ھ لکھتے ہیں: خراسان میں یحی بن یحی اور اسحاق بن راہویہ وغیرہ سے سنا، ری میں محمد بن مہران جمال، اور ابوغسان وغیرہ سے، عراق میں احمد بن حنبل اور عبداللہ بن مسلمہ قعنبی وغیرہ سے، حجاز میں سعید بن منصور اور ابومصعب وغیرہ سے، مصر میں عمرو بن سوّاد، حرملہ بن یحی وغیرہ سے اور دیگر بہت سے لوگوں سے سنا. (مقدمہ شرح مسلم ص۱۲)

امام مزیؒ م ۷۴۲ھ نے تہذیب الکمال میں امام مسلمؒ کے ۲۰۹ اساتذہ کے نام ذکر کئے ہیں. (تہذیب الکمال ۱۸/۶۸)

ذہبیؒ کہتے ہیں کہ کوفہ میں احمد بن یونس اور ایک جماعت سے سنا، پھر جلد ہی وطن آگئے، پھر چند سالوں کے بعد ۲۳۰ھ سے قبل سفر کیا اور علی بن الجعد سے بہت سی حدیثیں روایت کیں، لیکن صحیح میں ان سے کوئی روایت نہیں لی، عراق، حرمین شریفین، اور مصر میں بھی حدیثیں سنیں. (سیر اعلام النبلاء ۱۲/۵۵۸)

علی بن مدینی اور محمد بن یحی ذہلی سے بھی صحیح میں کوئی روایت نہیں لی، حاکم نے مسلم کے شیوخ میں ابوغسان مالک نہدی کو بھی شمار کیا ہے، انھوں نے کسی کے واسطے سے ان سے روایت لی ہے، ان کو پایا نہیں کیونکہ ان کا انتقال ابونعیم کے ساتھ ۲۱۹ھ میں ہوگیا تھا . (سیر اعلام النبلاء ۱۲/۵۶۱)

حافظ ابوالقاسم بن عساکر نے اپنی تاریخ میں امام مسلم کا تذکرہ کیا ہے اسلئے کہ انھوں نے صرف محمد بن خالد سکسکی سے سنا ہے، لیکن ظاہر یہ ہے کہ موسم حج میں سنا ہوگا کیونکہ یہ نہیں ہوسکتا کہ شام جائیں اور صرف ایک شیخ سے سن کر چلے آئیں . (ایضا ۱۲/۵۶۲)

امام مسلمؒ احمد بن سلمہ کے ساتھ بلخ اور بصرہ بھی گئے تھے، امام ذہبیؒ نے احمد بن سلمہ کے تذکرہ میں لکھا ہے: **رفیق مسلم فی الرحلة الی بلخ والی بصرة**. (تذکرۃ الحفاظ ۲/۱۵۶)

ابن کثیر لکھتے ہیں: خطیب نے فرمایا: امام مسلمؒ نے امام بخاریؒ کا طریقہ اپنایا، ان کے علم میں غور کیا اور انکے نقشِ قدم پر چلے، امام بخاریؒ جب اخیر میں نیشاپور تشریف لے گئے [1] تو امام مسلم انکے ساتھ لگ گئے اور برابر انکے ساتھ آتے جاتے رہے، امام دارقطنیؒ نے فرمایا: اگر بخاری نہ ہوتے تو مسلم نہ آتے نہ جاتے (یعنی کچھ نہ ہوتے). (البدایہ والنہایہ ۱۱/۱۰۳)

---

[1] یعنی ۲۵۰ھ میں اور پانچ سال رہے اور حدیث بیان کرتے رہے. (سیر اعلام النبلاء ۱۲/۴۰۴ ترجمہ بخاریؒ)

ابن کثیر مزید لکھتے ہیں: خطیب نے اپنی سند سے ابو حامد احمد بن حمدان قصار سے نقل کیا فرماتے ہیں: امام مسلمؒ آئے اور امام بخاریؒ کی دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا اور فرمایا: اے استادوں کے استاد اور محدثین کے سردار، حدیثوں کی علتوں کے ڈاکٹر! مجھے اپنے پاؤں کا بھی بوسہ لینے دیجئے، کیا آپ سے محمد بن سلام نے بیان کیا، ان سے مخلد بن یزید حرّانی نے ان سے ابن جریج نے، انھوں نے موسی بن عقبہ سے انھوں نے سہیل سے انھوں نے اپنے والد سے انھوں نے ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے انھوں نے آنحضورﷺ سے کفارۂ مجلس کی حدیث کو، اس کی علت کیا ہے؟ بخاریؒ نے فرمایا: یہ خوبصورت حدیث ہے، میں دنیا میں اسکے سوا حدیث (یعنی اس سند سے) نہیں جانتا، مجھ سے موسی بن اسماعیل نے بیان کیا، ان سے وہیب نے، انھوں نے سہیل سے، انھوں نے عون بن عبداللہ سے ان کا قول ذکر کیا، اور یہ اولی ہے، اسلئے کہ موسی بن عقبہ کا سہیل سے سننا معلوم نہیں، (ابن کثیر کہتے ہیں) میں نے اس حدیث کیلئے ایک مستقل جزء لکھا ہے، اس میں اس کے طرق اور الفاظ اور متن وعلل کو بیان کیا ہے، و للّٰہ الحمد و المنه. (البدایہ والنہایہ ۱۱/۱۰۳)

ھدی الساری میں حافظ نے اس طرح لکھا ہے: کفارۂ مجلس کی حدیث پیش کر کے امام مسلمؒ نے امام بخاری سے پوچھا: کیا دنیا میں اس سے اچھی حدیث بھی آپ جانتے ہیں؟ امام بخاریؒ نے فرمایا: اچھی حدیث ہے لیکن معلول ہے، تو مسلمؒ نے فرمایا: لا الہ الا اللہ اور کانپ گئے اور فرمایا کہ بتایئے اس میں کیا علت ہے؟ بخاری نے فرمایا: اللہ تعالی نے جو بات چھپا رکھی ہے میں بھی اس کو چھپاؤں گا، پھر مسلم نے اصرار کیا اور قریب تھا کہ رونے لگیں تو بخاری نے اس کی علت بتائی، مسلمؒ نے فرمایا: آپ سے کوئی حاسد ہی بغض رکھ سکتا ہے، میں گواہی دیتا ہوں کہ دنیا میں آپ جیسا کوئی نہیں. (ھدی الساری ۴۸۸)

محدثین کا فیصلہ یہ ہے کہ یہ حدیث اپنے شواہد کی وجہ سے قوی اور معتبر ہے، کئی صحابہ

سے مروی ہے، ابو ہریرہؓ کی حدیث میں جو علت بخاریؒ نے بتائی وہ صحیح ہے، یہ حدیث ان کے علاوہ ابو برزہ اسلمی سے بسند حسن مروی ہے، لیکن راجح ارسال ہے، عبداللہ بن عمرو بن العاص سے موقوفا مروی ہے، جبیر بن مطعم سے بھی، اس کے رجال ثقہ ہیں، زبیر بن العوّام سے بھی ضعیف سند کے ساتھ، ابن مسعود سے بھی ضعیف سند کے ساتھ، سائب بن یزید سے بھی صحیح سند سے، انس سے بھی ضعیف سند کے ساتھ، عائشہ سے بھی قوی سند کے ساتھ، ابو سعید خدری سے بھی صحیح سند کے ساتھ لیکن رفع کی تصریح نہیں. رضی اللہ عنہم. تفصیل کیلئے دیکھئے فتح الباری ۱۳/۵۴۵ اور نکت علی ابن الصلاح ۲/۷۲۶ (حاشیہ البدایہ والنہایہ ۱۱/۱۰۴)

مستدرک حاکم میں یہ حدیث مذکور ہے: ..... **حجاج بن محمد عن ابن جريج عن موسى بن عقبه عن سهيل بن أبي صالح عن أبيه عن أبي هريرةؓ قال قال رسولُ اللّٰه ﷺ : ما جلس قوم مجلسا كثُر لغطهم فقال قائل قبل أن يقوم : سبحانك اللّٰهم ربنا و بحمدك لا اله الا أنت أستغفرك ثم اتوب اليك الا غفر له ما كان في مجلسه . هذا الاسناد صحيح على شرط مسلم الا أن البخاریَ قد علّله بحديث وهيب عن موسى بن عقبة عن سهيل عن أبيه عن كعب الأحبار من قوله ، والله أعلم .** (مستدرك ۱/۵۳۶)

یہ حدیث ترمذی میں بھی ہے اور حسن صحیح کہا ہے، ابن حبان کی صحیح، طبرانی کی کتاب الدعاء، نسائی کی عمل الیوم واللیلۃ میں بھی ہے. (فتح الباری)

حافظ فتح الباری ۱۳/۵۴۴ میں لکھتے ہیں کہ حاکم نے مستدرک میں ایسا ہی کہا، اس میں وہم ہوا، اس سند میں سہیل کے والد اور کعب کا ذکر نہیں، صحیح سہیل عن عون ہے، حاکم نے علوم الحدیث میں صحیح ذکر کیا، کہ بخاری نے فرمایا: حدیث خوبصورت ہے میں اس باب میں اس حدیث کے سوا نہیں جانتا مگر یہ معلول ہے، موسی بن عقبہ نے عون بن عبداللہ کا قول نقل کیا ہے

بخاری نے فرمایا: یہ بہتر ہے کیونکہ ہم موسی بن عقبہ کا سماع سہیل سے نہیں جانتے۔ اھ

حافظ کہتے ہیں اس میں بخاری کے کلام میں (**لا أعلم في هذا الباب غير هذا الحديث**) یہ لفظ صحیح نہیں، اسکے بجائے (**لا أعلم بهذا الاسناد في الدنيا غير هذا الحديث**) صحیح ہے، چنانچہ بیہقیؒ نے المدخل میں حاکم سے اُسی اوپر والی سند سے (**لا أعلم بهذا الاسناد في الدنيا غير هذا الحديث**) نقل کیا، یہی صحیح ہے، فی هذا الباب صحیح نہیں کیونکہ اس باب میں دوسری حدیثیں ہیں جو بخاری سے پوشیدہ نہیں ہونگی.

خلیل نے بھی الارشاد میں یہ قصہ حاکم کے سوا سے ذکر کیا اور اس میں مسلم کا سوال: **أتعرف بهذا الاسناد في الدنيا حديثا غير هذا ؟** کے لفظ سے ہے، بخاری نے فرمایا: **لا الا أنه معلول** ... الی آخرہ . (فتح الباری ۱۳/۵۴۴)

بخاریؒ سے قبل امام احمدؒ نے بھی اس کو معلول کہا، اس کو دارقطنیؒ نے علل میں ذکر کیا، ابو حاتم رازی اور ابوزرعہ رازی نے بھی اسی کو اختیار کیا، ابن ابی حاتم نے اپنی علل میں اس کو ذکر کیا، جو لوگ اس کو صحیح سمجھتے ہیں وہ اس اختلاف کو مضر نہیں سمجھتے بلکہ کہتے ہیں کہ موسی بن عقبہ سے دونوں طرح مروی ہے . (فتح الباری ایضا)

ابن کثیر لکھتے ہیں: خطیب نے فرمایا: مسلم امام بخاری کی طرف سے مدافعت کرتے تھے، رحمہا اللہ، پھر وہ واقعہ ذکر کیا جو لفظ بالقرآن کے مسئلہ میں بخاری اور محمد بن یحی الذہلی کے درمیان ہوا کہ بخاری کے خلاف نیشاپور میں اعلان ہوا، ذہلی نے ایک دن اپنی مجلس میں لوگوں سے کہدیا کہ لفظ بالقرآن کے مسئلہ میں جو بخاری کا ہم خیال ہے وہ یہاں سے چلا جائے، مسلم بھی اس مجلس میں تھے، فورا اٹھے، گھر گئے اور ذہلی کی جتنی روایتیں تھیں سب کو جمع کرکے واپس بھیج دیا اور ان سے روایت کرنا ترک کردیا، نہ صحیح میں کوئی روایت لی نہ کسی اور کتاب میں، دونوں میں وحشت پیدا ہوگئی، لیکن بخاری نے ذہلی کو نہیں چھوڑا بلکہ صحیح بخاری

اور دوسری کتابوں میں ان سے روایتیں ذکر کیں اور ان کو معذور سمجھا، رحمہ اللہ تعالی .
(ابن کثیر ۱۱/۱۰۴) اگرچہ صاف نام نہیں لیا .

ایک روایت میں اس طرح ہے: امام ذہلی تک لوگوں نے یہ بات پہونچائی کہ امام بخاریؒ نے لفظی بالقرآن حادث فرمادیا، تو فرمایا: جو یہ کہتا ہے وہ بدعتی ہے اس کے ساتھ بیٹھا نہیں جاسکتا، اس سے بات نہیں کی جاسکتی، جو محمد بن اسماعیل کے پاس بیٹھے اس کو متہم سمجھو اسلئے کہ جو ان کے مذہب پر ہوگا وہی ان کے پاس جائیگا .

ذہلی نے جب یہ اعلان کیا تو لوگ بخاری سے منقطع ہوگئے، صرف امام مسلمؒ اور احمد بن سلمہ امام بخاری کے ساتھ رہے، ذہلی نے فرمایا: جو ایسا اعتقاد رکھتا ہو اس کو ہماری مجلس میں آنے کی اجازت نہیں، تو امام مسلمؒ نے اپنی چادر عمامہ پر رکھی اور سب کے سامنے اٹھ کر مجلس سے چلے گئے اور جو حدیثیں ان سے لکھی تھیں اونٹوں پر لاد کر ذہلی کے یہاں بھیج دیں .
(ھدی الساری ۴۹۱)

اس موقعہ پر حافظ نے لکھا کہ مسلم نے انصاف کیا کہ اپنی کتاب میں نہ امام بخاری سے کوئی روایت لی نہ ذہلی سے . (ایضا)، یہ توجیہ اس بات سے بہتر ہے جو ذہبی نے سیر اعلام النبلاء میں لکھی کہ امام مسلمؒ اپنے مزاج میں شدت اور تیزی کی وجہ سے بخاری سے بھی پھر گئے، اپنی صحیح میں نہ ان کا نام لیا نہ کوئی حدیث ذکر کی . (سیر اعلام النبلاء ۱۲/۵۷۳)

امام بخاریؒ نیشاپور ۲۵۰ھ میں پہونچے جیسا کہ حافظ نے مقدمۂ فتح الباری میں ذکر کیا ہے اور صحیح بخاری کی تالیف میں سولہ (۱۶) سال لگے جیسا کہ امام نووی نے شرح بخاری کے مقدمہ حاجۃ القاری ص ۴۱ میں لکھا، تو ہوسکتا ہے کہ نیشاپور پہونچنے کے وقت صحیح بخاری کی تالیف کا کام کسی حد تک ہوچکا تھا اور امام ذہلی کی روایتیں درج کرچکے تھے اسلئے ذہلی سے اختلاف کے باوجود اسکو نکالا نہیں، واللہ اعلم

سوال: امام بخاری سے اتنی عقیدت اور محبت کے باوجود امام مسلمؒ نے مقدمۂ صحیح مسلم میں اسناد معنعن کے مسئلہ میں امام بخاری وغیرہ کی تردید بعض منتحلی الحدیث کے لفظ سے کیوں کی؟ یہ ان کی تعظیم اور تکریم کے بظاہر خلاف ہے. (مقدمہ مسلم ص ۲۱)

جواب: یہ اگرچہ علی بن مدینی اور امام بخاری وغیرہ کا مذہب ہے لیکن امام مسلم کی مراد یہ لوگ نہیں ہیں، بلکہ بعض دوسرے علماء ہیں جن کا نام معلوم نہیں، وہ علمی میدان میں اتنے اونچے نہیں تھے، شاید امام بخاری اور علی بن مدینی کا مذہب امام مسلم کو نہیں پہونچا تھا، یہ بات حضرت گنگوہی نے فرمائی. (الحل المفہم لصحیح مسلم ص ۲۰ طبع مکتبۃ الشیخ کراچی)

شیخ عبدالفتاح ابوغدہؒ نے الموقظۃ للذہبی کے تتمہ میں اس پر بڑی لمبی بحث کی ہے کہ اس سے مراد امام بخاری ہیں یا علی بن المدینی یا دونوں، اور اس نتیجہ پر پہونچے کہ مراد علی بن المدینی ہیں بخاری نہیں، لکھتے ہیں: بہت سے علماء اس کے قائل ہیں کہ اس سے مراد امام بخاری ہیں، مثلاً محمد بن اسماعیل امیر صنعانی م ۱۱۸۲ھ توضیح الأفکار میں، علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب فتح الملہم م ۱۳۶۹ھ، نیز شیخ علامہ حبیب الرحمٰن الاعظمیؒ م ۱۴۱۲ھ، آپنے یہ بھی فرمایا: **ھکذا غضبات المحدثین ولو مع شیوخھم**، اور شیخ عبداللہ بن الصدیق الغماری بھی اسی کے قائل تھے پھر ان کی رائے بدل گئی اور اس کے قائل ہوگئے کہ علی بن المدینی مراد ہیں نہ کہ امام بخاری.

دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد علی بن المدینی ہیں، شیخ ابوغدہؒ نے اسی کی تائید کی، اس کے قائلین یہ ہیں: ابن کثیرؒ اختصار علوم الحدیث میں، اور وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ علی بن المدینی نفس صحت حدیث کیلئے راوی اور مروی عنہ کے درمیان ملاقات کو شرط بتاتے ہیں، اور بخاری صرف صحیح بخاری میں کسی حدیث کو داخل کرنے کیلئے، شیخ الاسلام سراج الدین عمر بن رَسلان بُلقینی محاسن الاصطلاح وتضمین کتاب بن الصلاح میں، حافظ بقاعی نے النکت الوفیہ

علی شرح الألفیہ میں حافظ ابن حجرؒ سے اس کو نقل کیا.

پھر شیخ عبدالفتاح نے اس کی تائید تاریخ سے پیش کی کہ مسلم ۲۰۴ھ اور زیادہ راجح یہ ہے کہ ۲۰۶ھ میں پیدا ہوئے، ۱۸ سال کی عمر سے سماع شروع کیا اور ۲۶۱ھ میں ۵۵ سال کی عمر میں انتقال ہوا.

اور یہ کتاب صحیح مسلم اپنے ساتھی احمد بن سلمہ کی طلب پر لکھی، احمد بن سلمہ ۱۵ سال اس کتاب کی تالیف میں ساتھ رہے، ۲۸۶ھ میں انتقال ہوا، امام مسلمؒ اس کتاب کی تصنیف سے ۲۵۰ھ میں فارغ ہوئے، اس سے معلوم ہوا کہ مسلم نے اس کتاب کی تصنیف ۲۳۵ھ سے شروع کی جب کہ ان کی عمر شریف ۲۹ سال کی تھی اور کام ختم ہوا جب کہ عمر شریف ۴۴ سال کی تھی، اس کے بعد (۱۱) سال اور زندہ رہے، اور مسلم نے مقدمہ شروع میں لکھا جیسا کہ مقدمہ کی بعض عبارات سے صاف معلوم ہوتا ہے، تو معلوم ہوا کہ بخاری ۲۵۰ھ میں نیشاپور پہونچے تو مسلم اپنی کتاب اور مقدمہ کی تصنیف سے فارغ ہو چکے تھے.

امام بخاریؒ ۲۵۰ھ سے ۲۵۵ھ تک نیشاپور میں رہے، اس پانچ سال کی مدت میں امام مسلم ان کے پاس آتے جاتے رہے اور انکے ساتھ لگے رہے، اسلئے یہ مستبعد معلوم ہوتا ہے کہ جن کے بارے میں اتنا سخت جملہ لکھ چکے تھے انکے ساتھ اس قدر عقیدت کے ساتھ کیسے لگے رہے اور انکی حمایت میں اپنے شیخ اور اپنے شہر کے محدث محمد بن یحی ذہلی نیشاپوریؒ کو بھی چھوڑ دیا تھا اور امام بخاریؒ کے بارے میں فرمایا تھا کہ آپ سے کوئی حاسد ہی دشمنی کریگا اور میں گواہی دیتا ہوں کہ دنیا میں آپ جیسا کوئی نہیں ہے، اور اے استادوں کے استاد اور محدثین کے سردار اور حدیثوں کی علتوں کے جانکار مجھے اجازت دیجئے کہ میں آپ کے قدموں کو بوسہ دوں، اتنی تعریف اور عقیدت کے اظہار کے ساتھ کیسے اتنا سخت جملہ اختیار کر سکتے ہیں جو مقدمہ میں اختیار کیا ہے، اور پانچ سال کی لمبی مدت تک ساتھ کیسے رہ سکتے

ہیں، حقیقت میں بخاری اس مسئلہ میں الگ ہیں اور مراد نہیں ہیں جیسا کہ ابن کثیر، بلقینی وغیرہ نے بیان کیا ہے۔ (الموقظہ للذہبی کے حاشیہ میں شیخ عبدالفتاح ابوغدہ کی بات ختم ہوئی ص۱۴۰)

یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے کہ لقاء کی شرط امام بخاری کے یہاں مطلق صحت کیلئے ہے یا صحیح بخاری میں داخل کرنے کیلئے ہے، حافظ کی نکت علی ابن الصلاح کی عبارت بتاتی ہے کہ مطلق صحت کیلئے ہے، اسی لئے بخاری نے تاریخ میں ایسی بہت سی روایتوں کی تضعیف کی ہے جن میں شرط موجود نہیں . (النکت ۲/۵۹۲)

یہ حافظ کی اپنی عبارت ہے دلیل کے ساتھ، اور بالکل واضح ہے اور صاف لکھا ہے کہ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ بخاری کی یہ شرط صرف صحیح بخاری میں کسی حدیث کے داخل کرنے کیلئے ہے ان کی رائے غلط ہے . (ایضا)

اگر حافظ کے شاگرد حافظ بقاعی نے النکت الوفیہ میں اس کو ذکر نہیں کیا جیسا کہ عبد الفتاح فرماتے ہیں تو اس سے کیا ہوا، زیادہ سے زیادہ یہ ہوا کہ وہ اپنے شیخ کی اس بات کو محقق نہیں سمجھتے تھے، اس کے مقابلہ میں حافظ ابن کثیر کی بات کو نقل کرتے ہیں کہ یہ شرط صحیح بخاری میں داخل کرنے کیلئے ہے، اصل صحت کیلئے نہیں، لیکن اس کی دلیل کیا ہے؟ ایسے ہی بلقینی نے بھی اس کی کوئی دلیل نہیں دی.

تو علی بن مدینی اور بخاری اس مسئلہ میں ساتھ ہوئے اسلئے یہ کہنا کہ اس سے مراد علی ابن مدینی ہی ہیں، بخاری نہیں بہت مشکل ہے، دونوں مراد ہو سکتے ہیں، اسی لئے امام نوویؒ م۶۷۶ھ نے فرمایا: **والذی رده هو المختار الصحیح الذی علیه ائمة هذا الفن علی ابن المدینی و البخاری وغیرهما .** (مقدمہ صحیح مسلم ص۲۰)

علی بن مدینی اور بخاری وغیرہ کا مذہب ہی صحیح اور پسندیدہ ہے، اسی پر فن حدیث کے ائمہ ہیں امام مسلم نے اسی کی تردید کی . اھ

ابن رُشید فہری م۷۲۱ھ نے بخاری اور مسلم کے درمیان محاکمہ میں جو کتاب لکھی اس کا نام رکھا (**السنن الأبین والمَورد الأمعن فی المحاکمة بین الامامین فی السند المعنعن**) ، اور کتاب کے شروع میں لکھا کہ ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاریؒ اور انکے شاگرد ابوالحسن مسلم بن حجاج کے درمیان معنعن کو اتصال پر محمول کرنے میں جو اختلاف ہوا کہ راوی اور مروی عنہ کے درمیان ملاقات یا سماع شرط ہے یا نہیں . الخ (ص۳۰)

اس سے معلوم ہوا کہ ابن رُشید مسلم کا نشانہ دوسرے ائمہ کے ساتھ امام بخاری کو بھی مانتے ہیں اور آگے چل کر یہ بھی لکھتے ہیں : **ولعلّه لم یَعلَم أنه قولُ ابن المدینی و البخاری وکأنه انّما تکلم مع بعض أقرانه أو من دونه مما قال بذالک المذهب ، و الله اعلم ، فانه لو علمه لکفّ من غَربِه وخفض لهما الجناح و لم یُسّمهما الکفاح .** (ص ۱۴۹)

شاید امام مسلم کو معلوم نہیں تھا کہ یہ علی بن مدینی اور امام بخاری کا قول ہے، شاید اپنے زمانہ کے بعض لوگوں یا نیچے کے بعض لوگوں کو مراد لے رہے ہیں اور انکی تردید کر رہے ہیں، جو اس مذہب کے قائل تھے اگر جانتے تو انکے سامنے جھک جاتے اور انکا مقابلہ نہ کرتے . اھ

محشی لکھتے ہیں: یہ بات بہت بعید ہے کہ اپنے استاد اور استاد کے استاد علی بن مدینی کو بعض منتحلی الحدیث سے ذکر کریں جن سے علم حدیث اور علل حدیث کو حاصل کیا، اور ان کے بارے میں امام بخاریؒ نے فرمایا: میں نے کسی کے پاس اپنے کو چھوٹا نہیں سمجھا سوائے علی بن مدینی کے .

اسی طرح امیر المؤمنین فی الحدیث امام بخاری کو بھی اس لفظ سے یاد کرنا یہ جانتے ہوئے کہ وہ اس کے قائل ہیں بہت بعید ہے . (حاشیہ سَنَن اَبین)

ہمارے خیال میں یہ مناسب جواب ہے، یہ وہی بات ہے جو حضرت گنگوہیؒ نے فرمائی.

کما مر .

اعتراض : اس پر یہ جولازم آتا ہے کہ مسلم کی جو حدیثیں معنعن مروی ہیں اور لقاء یا سماع ثابت نہیں کیا وہ سب علی بن مدینی اور بخاری وغیرہ کے نزدیک ضعیف ہوں گی؟ اسلئے کہ نفس صحت حدیث کی شرط مفقود ہے؟

جواب: تو اس کا جواب یہ ہوسکتا ہے کہ امام مسلم کے یہاں اگر چہ حدیث بغیر لقاء اور ایک مرتبہ سماع کے متصل اور معتبر ہے لیکن صحیح مسلم میں ایسی روایتیں نہیں ہیں، بلکہ سب لقاء اور سماع والی ہیں، امام نوویؒ مقدمۂ شرح مسلم میں لکھتے ہیں : **و ان كنا لا نحكم على مسلم بعمله فی صحيحه بهذا المذهب لكونه يجمع طرقا كثيرة يتعذر معها وجود هذا الحكم الذی جوّزه . و الله اعلم** (ص۱۳)

ہم نہیں کہتے کہ مسلم نے اس مذہب پر عمل کیا ہے، اسلئے کہ وہ حدیث کے بہت سے طرق لاتے ہیں جنکے ساتھ یہ حکم لگانا مشکل ہے کہ راوی اور مروی کے درمیان لقاء اور سماع ثابت نہیں . اھ

امام نووی نے یہ اجمالی جواب دیدیا لیکن ہر جگہ اس کو ثابت کرنے کی کوشش نہیں کی.

امام مسلمؒ نے اپنے مقدمہ میں اس کی مثالیں پیش کیں اور بتایا کہ یہ روایتیں معنعن ہیں، لقاء اور سماع ثابت نہیں پھر بھی محدثین ان کو صحیح کہتے ہیں. دیکھئے ص۲۲ و۲۳

حافظ ابن حجرؒ نے النکت علی ابن الصلاح میں امام مسلم کے بعض دعاوی کو توڑ دیا اور فرمایا کہ بعض کی روایتیں خود صحیح مسلم میں موجود ہیں اور ان میں سماع کی تصریح ہے :

مثلا امام مسلمؒ نے ابوعثمان نہدی کا نام لیا کہ ان کو ابی بن کعب سے سماع نہیں، اور نعمان بن ابی عیاش کو ابوسعید خدری سے سماع نہیں. (مقدمہ ص۲۳ و۲۴)

حافظ کہتے ہیں کہ علی بن مدینیؒ نے کتاب العلل میں لکھا ہے کہ ابوعثمان نہدیؒ ، عمرؓ،

ابن مسعودؓ وغیرہ سے ملے اور ابی بن کعبؓ سے روایت کی اور بعض میں حدثنی کا لفظ بھی ہے.

اور نعمان بن ابی عیاشؒ نے ابوسعید خدریؓ سے سننے کی تصریح کی ہے، مسلم نے کتاب المناقب میں اس کی تخریج کی ہے. (مسلم ۲۴۹/۲)

اسی طرح باب صفة الجنة میں سماع کی تصریح ہے. (مسلم ۳۷۸/۲)

حافظ فرماتے ہیں: مسلم کا اعتراض بخاری پر اس وقت صحیح ہوتا جب وہ صحیح بخاری میں ایسی روایت دکھلاتے جس میں راوی اور مروی عنہ کے درمیان ملاقات اور سماع ثابت نہ ہو، ورنہ بخاری کی بات معقول ہے. (النکت ۵۹۶/۲)

ہم کو حافظ کے اس کلام میں نظر ہے، امام مسلم صحت حدیث کے مسئلہ پر گفتگو کر رہے ہیں، وہ خاص صحیح بخاری کی بات نہیں کر رہے ہیں، اسلئے صحیح بخاری کے باہر بھی کوئی حدیث معنعن ہو اور محدثین اسکو صحیح مانتے ہوں اور راوی اور مروی عنہ کے درمیان ملاقات اور سماع معلوم نہ ہو تو مسلم کا الزام بخاری پر صحیح ہوگا . واللہ اعلم

اگر امام بخاریؒ کے مسلک کے بارے میں یہ مان لیا جائے کہ وہ نفس صحتِ حدیث کیلئے سماع کی شرط نہیں لگاتے بلکہ اعلی صحت کیلئے یا صحیح بخاری میں کسی حدیث کو لانے کیلئے سماع اور لقاء کی شرط لگاتے ہیں جیسا کہ ابن کثیر وغیرہ کا خیال ہے تو بھی یہ اشکال رہے گا کہ مسلم کی غیر مدلّس کی معنعن روایتیں جن میں راوی اور مروی عنہ کے درمیان سماع ثابت نہیں کیا علی بن مدینی وغیرہ کے یہاں ضعیف ہوں گی؟ کیونکہ علی بن مدینی وغیرہ کا مذہب تو یہی ہے کہ سماع دونوں میں ایک بار سہی ثابت ہونا چاہئے اگر چہ بخاریؒ درمیان سے نکل جائیں لیکن علی بن مدینی وغیرہ کے مذہب سے اشکال ہوگا .

اگر مسلم میں ایسی حدیثیں مذکور ہیں اور یہ بھی تسلیم ہے کہ مسلم کی سب حدیثیں صحیح ہیں تو پھر یہی کہنا پڑے گا کہ اسناد معنعن کے مسئلہ میں امام مسلم ہی کا مذہب صحیح ہے اسلئے کہ اصولِ

حدیث کی کتابوں میں محدثین یہ لکھتے ہیں کہ صحیح حدیث کی متعدد قسمیں ہیں، سب سے زیادہ صحیح بخاری مسلم کی متفق علیہ حدیثیں ہیں، پھر صرف بخاری کی، پھر صرف مسلم کی پھر جو دونوں کی شرطوں پر ہوں پھر جو بخاری کی شرط پر ہوں پھر وہ جو مسلم کی شرط پر ہوں پھر وہ جو کسی کی شرط پر نہیں لیکن صحیح ہیں. (مقدمۂ ابن الصلاح ص ۲۷، تدریب الراوی ۱/۱۲۳، ظفر الأمانی ص ۱۲۶)

عام طور سے شراح اور محدثین نے علی بن مدینی اور امام بخاری کے مذہب کو ترجیح دی ہے جیسے امام نوویؒ م ۶۷۶ھ، ابن رشید مالکیؒ م ۷۳۱ھ، ابن حجر م ۸۵۲ھ نے، لیکن علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب فتح الملہم شرح صحیح مسلم نے مقدمۂ فتح الملہم میں اور فتح الملہم میں اور اپنے درس بخاریؒ میں امام مسلمؒ کے مذہب کو ترجیح دی ہے اور حافظ ابن حجر وغیرہ کی بات کا جواب دیا ہے، اس صورت میں صحیح مسلم کی تمام حدیثوں کو صحیح کہنے میں کوئی اشکال نہیں ہوگا. واللہ اعلم

صحیح مسلم کی بعض حدیثوں کو امام بخاری وغیرہ نے ضعیف کہا ہے جیسے عبادہ بن صامتؓ کی حدیث **فصاعدا** کی زیادتی کے ساتھ ۱/۱۶۹ اور ابوموسی اشعریؓ کی حدیث **و اذا قرأ فأنصتوا** کی زیادتی کے ساتھ ص ۱/۱۷۹، لیکن اس کا تعلق اسناد معنعن سے نہیں، بلکہ جو ضعیف کہتے ہیں وہ شذوذ کی وجہ سے ضعیف کہتے ہیں، صحیح ماننے والے کہتے ہیں کہ اس میں شذوذ نہیں ہے، کئی متابعات ثابت ہیں، اسلئے زیادتی کے ساتھ یہ حدیثیں صحیح ہیں، اس کیلئے معارف السنن دیکھنی چاہئے اور مقالات اعظمی عربی [1]

تنبیہ : بخاری اور مسلم دونوں میں ایسی حدیثیں بھی ہیں جن میں روایت عن کے ساتھ آئی ہے لیکن شاگرد کا استاذ سے سننا ثابت نہیں.

تقی الدین سبکیؒ نے اپنے استاذ امام مزیؒ حافظ الدنیا سے پوچھا: صحیحین میں شیخینؒ نے عن سے جو روایتیں ذکر کی ہیں کیا ان کے ایسے طرق معلوم ہیں جن میں تحدیث کی تصریح موجود ہو؟

---

[1] المقالات الأعظمیہ، افادات شیخ الحدیث حضرت مولانا فضل الرحمٰن اعظمی زید مجدہ. عتیق الرحمٰن

فرمایا: بہت سی حدیثوں میں ایسا نہیں پایا گیا، ان میں حسنِ ظن کے علاوہ ہمارے لئے کوئی اور گنجائش نہیں. (تدریب الراوی للسیوطیؒ ۱/۱۱۶)

دوسری طرف ایک مسئلہ یہ ہے کہ مدلِّس کی ہر حدیث کے بارے میں مروی عنہ سے اسکا سماع ثابت ہونا چاہئے ورنہ وہ روایت صحیح اور معتبر نہیں ہوگی، بخاری میں بہت سی روایتیں ایسی ہیں جن میں سماع ثابت نہیں تو حافظ ابن حجرؒ فتح الباری میں اس کی کوشش کرتے ہیں کہ کہیں باہر سے سماع ثابت کریں، لیکن ہر جگہ کامیاب نہیں ہوسکے تو یہ کہہ دیتے ہیں کہ بخاری کے علم میں سماع ثابت ہوگا اگرچہ ہم نہیں جانتے یعنی حسنِ ظن سے کام لیتے ہیں.

حافظ ابوسعید علائیؒ نے اپنی کتاب (**جامع التحصیل لأحکام المراسیل**) میں مدلّسین کے بارے میں بہت تفصیل لکھی ہے اور بتایا ہے کہ بعض راویوں کی تدلیس کو ائمہ نے قبول کیا ہے اگرچہ انھوں نے سماعت کی تصریح نہ کی ہو، ایسا یا تو انکی امامت کی وجہ سے ہوا یا اسلئے کہ انکی مرویات میں تدلیس نسبۃً کم ہے یا اسلئے کہ وہ ثقہ ہی سے تدلیس کرتے ہیں جیسے زہری، اعمش، ابراہیم نخعی، اسماعیل بن ابی خالد، سلیمان تیمی، حمید طویل، حکم بن عتیبہ، یحی بن ابی کثیر، ابن جریج، ثوری، ابن عیینہ، شریک، ھشیم، چنانچہ صحیحین وغیرہ میں انکی بہت سی ایسی روایات موجود ہیں جنمیں سماع کی تصریح نہیں، بعض ائمہ نے اسکو اس بات پر محمول کیا ہے کہ شیخین کو اس بات پر اطلاع ہوئی ہوگی کہ اس خاص حدیث کو مدلس نے اپنے شیخ سے سنا ہے، لیکن یہ مشکل بات ہے، ظاہر یہ ہے کہ مذکورہ اسباب میں سے کسی سبب سے ایسا ہوا ہے. اھ

علامہ کوثری نے شروط الائمۃ الخمسۃ للحازمیؒ م ۵۸۴ھ کے حاشیہ میں علائی کی اس بات کو ذکر کرنے کے بعد یہ لکھا ہے کہ موسی بن عقبہ کو ابن حبان اور اسماعیلی نے مدلسین میں شمار کیا

ہے، اسماعیلی نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ موسی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان کو زہری سے سماع نہیں، پھر بھی ان کی روایت بخاری میں موجود ہے، ابان بن عثمان کی روایت مسلم میں موجود ہے، امام احمد فرماتے ہیں کہ اپنے والد سے نہیں سنا ہے، ابواسحاق فزاری کی روایت ابوطوالہ سے بخاری میں موجود ہے حالانکہ ان سے سنا نہیں جیسا کہ ابن مردویہ نے ذکر کیا، زہرہ بن معبد کی روایت ابن عمرؓ سے بخاری میں موجود ہے جبکہ ابن ابی حاتم نے اس میں توقف کیا ہے، سلیم بن عامر کی روایت مقداد بن اسود سے مسلم میں موجود ہے، حالانکہ ابوحاتم نے فرمایا کہ مقداد کو انھوں نے نہیں پایا، شعبی کے بارے میں امام احمد نے فرمایا کہ ابو ہریرہؓ سے نہیں سنا ہے، حالانکہ صحیحین میں انکی روایت موجود ہے، اسکی بہت سی مثالیں اس عظیم کتاب میں موجود ہیں ۔

پھر کوثری لکھتے ہیں کہ اس بحث سے معلوم ہوا کہ یہ روایات انقطاع کے باوجود کسی سبب سے مقبول ہیں تو اسی طرح مرسل روایت کو بھی قبول کرنا چاہئے، جیسا کہ ائمۂ اربعہ اور انکے اصحاب کا مذہب ہے، شرطِ قبولیت میں تھوڑے اختلاف کے ساتھ اگر چہ بعد کے محدثین کی اصطلاح اسکے خلاف ہے۔ (شروط الائمة الخمسة للحازمي مع ابن ماجه ص ۷۸)

استخراج کے فوائد

امام سیوطیؒ تدریب الراوی میں صحیحین کے مستخرجات کے فوائد میں لکھتے ہیں :

''ان مستخرجات کے فوائد میں سے ایک یہ ہے کہ صحیح کے مصنف نے کسی مُختلِط سے روایت ذکر کردی لیکن یہ نہیں بتایا کہ مختلِط کے شاگرد نے یہ حدیث اختلاط سے قبل سنی یا بعد میں، مستخرِج اس کو بیان کرتا ہے یا تو صراحۃً یا اس طرح کہ ایسے شاگرد کی روایت لاتا ہے جس نے اختلاط سے قبل ہی سنا ہے ۔

دوسرا ایک فائدہ یہ ہوتا ہے کہ صحیح میں کسی مدلِّس کی روایت ہے عن عن کے ساتھ اور سماع کی تصریح نہیں، مستخرج اس کو پیش کرتا ہے سماعت کی تصریح کے ساتھ ۔

استخراج کے یہ دو فائدے ہیں، اگر چہ صحیح میں ایسی جو روایتیں ہیں جن میں یہ وضاحت نہیں ہم کو اسکی صحت میں توقف نہیں، ہم یہ کہتے ہیں کہ صحیح کے مصنف کو اگر پتہ نہ ہوتا کہ یہ روایت اختلاط سے پہلے کی ہے اور یہ روایت مدلِّس نے اپنے شیخ سے سن کر روایت کی ہے تو اسکو صحیح میں ذکر ہی نہ کرتے، اسلئے کہ سبکی نے مزی سے پوچھا کیا ہر وہ روایت جو عن عن کے ساتھ مروی ہے اس میں ایسے طرق ہیں جن میں سماعت کی تصریح ہے؟ فرمایا: بہت سی روایتوں میں یہ معلوم نہیں، حسن ظن کے سوا ہمارے لئے کوئی گنجائش نہیں. (تدریب الراوی ۱۱۶)

(امام مسلمؒ کے قول کے مؤیدین)

شیخ عبدالفتاح ابوغدہؒ نے الموقظہ پر حاشیہ اور تحقیق لکھنے کے بعد (التتمات الخمس) کے نام سے پانچ مضامین لکھے ہیں، تیسرے تتمہ میں یہ بیان کیا ہے کہ امام مسلمؒ کا مذہب حدیث معنعن میں کیا ہے؟ اور جس کی تردید کی وہ کون ہے؟

ہم نے ان کی کچھ باتیں پہلے نقل کی ہیں، جیسا کہ آپ نے دیکھا، مسلم کے مذہب کی تائید کرنے والوں کو بھی شمار کرایا ہے، وہ یہ ہیں :

(ا) ۔ حافظ ابن حبان اور بہت سے علماء متاخرین ۔

حافظ ابن رجب حنبلی نے شرح علل ترمذی میں حدیث معنعن میں امام مسلم کے مذہب کی بھی شرح کی اور علی بن مدینی نیز بخاری کے مذہب کی بھی اور انہی دونوں کے مذہب کو راجح قرار دیا اور اس کی بہت تفصیل کی، اس کے بعد فرمایا :

''بہت سے علماء متاخرین مسلم کے مذہب پر ہیں کہ ثقہ غیر مدلس کی روایت میں ملاقات کا

امکان اتصال کے لئے کافی ہے، ابن حبان وغیرہ کے کلام کا ظاہر یہی ہے۔

ترمذیؒ نے کتاب العلم میں (**باب ما جاء فی الأخذ بالسنة و اجتناب البدعة**) ذکر کیا ہے کہ سعید بن المسیب کا سماع حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ممکن ہے۔ (انتہی کلام الترمذی)

لیکن اس روایت پر اتصال کا حکم نہیں لگایا [1]

ہمارے بعض اصحاب نے امام احمد سے بھی اس طرح نقل کیا ہے، اثرم فرماتے ہیں کہ میں نے امام احمدؒ سے پوچھا: کیا محمد بن سوقہ نے سعید بن جبیرؒ سے سنا ہے؟ فرمایا: ہاں اسود سے کئی باتیں سنی ہیں گویا یہ کہہ رہے ہیں کہ اسود زیادہ قدیم ہیں۔

لیکن ہوسکتا ہے کہ امام احمدؒ کے یہاں کوئی دلیل محمد بن سوقہ کے سعید بن جبیر سے سننے کی رہی ہو اور اسود کی قدامت کا ذکر صرف اسلئے ہو کہ اس سے یہ استدلال کیا جائے کہ سماعت ذکر کرنے والوں کا قول صحیح ہے، اسلئے کہ بہت سی دفعہ سماعت کا لفظ ہوتا ہے مگر وہ خطاء اور چوک ہوتی ہے۔

عبدالرحمٰن بن مہدیؒ نے شعبہؒ سے نقل کیا کہ میں نے ابوبکر بن محمد بن حزم سے سنا ہے، امام احمدؒ نے اس سے انکار کیا اور فرمایا کہ شعبہ نے اہل مدینہ کے قدماء میں سے کسی سے نہیں سنا ہے، جس سے استدلال ہو کہ ابوبکر سے سنا، سوائے سعید مقبُری کے ان سے ایک حدیث نقل کی ہے، پوچھا گیا: کیا مقبری قدیم ہیں؟ اس پر امام احمد خاموش رہے۔

جمہور متقدمین علی بن مدینی اور بخاری کے قول پر ہیں، اسی قول کی امام مسلم نے تردید کی ہے، علی بن مدینی اور بخاری ہی کے مذہب کی طرح بڑے بڑے حفاظ جیسے احمد، ابوزرعہ، ابو حاتم وغیرہ کا قول معلوم ہوتا ہے۔

سوال: اس پر اگر کوئی کہے کہ تب تو اکثر احادیث کو چھوڑنا پڑے گا اور ان سے استدلال

---

[1] لیکن ھذا حدیث حسن غریب من ھذا الوجہ فرمایا۔ ابوغدہ (ترمذی ۹۶/۲۔ فضل)

صحیح نہیں ہوگا؟

جواب: تو کہا جائے گا: یہی بات امام مسلم پر گراں گزری (جس کی وجہ سے انہوں نے تردید کی۔ فضل)

صحیح یہ ہے کہ جہاں سماع معلوم نہیں وہاں اتصال کا حکم نہیں لگائیں گے لیکن ملاقات ممکن ہو تو استدلال کریں گے جیسے کہ اکابر تابعین کی مرسل روایتوں سے استدلال کرتے ہیں، اس کی تصریح امام احمدؒ نے کی ہے۔ (ابن رجب کی بات ختم ہوئی) [1]

(۲)۔ مسلم کی حمایت کرنے والوں میں ابوبکر باقلانی وغیرہ بڑے بڑے اہل نظر بھی ہیں، بلقینی کی محاسن الاصطلاح میں ایک حاشیہ میں ابن الصلاحؒ سے منقول ہے، اس میں لکھا ہے کہ مسلم کے مذہب کی طرف باقلانی وغیرہ ائمۂ نُظّار بھی گئے ہیں۔

(۳)۔ امام نوویؒ نے بھی **التقریب و التیسیر** میں اس کو صحیح قرار دیا ہے، لکھا ہے: [2]

والصحیح الذی علیه العمل وقاله الجماهیر من أصحاب الحدیث والفقه و الأصول أنه متصل بشرط أن لا یکون المعنعن مدلّسا و بشرط امکان لقاء بعضهم بعضا. (تدریب الراوی ۲۱۴/۱)

صحیح قول جس پر عمل ہے اور جمہور محدثین، فقہاء اور اصولیین جس کے قائل ہیں یہ ہے کہ معنعن روایت متصل ہے، بشرطیکہ راوی مدلّس نہ ہو اور بعض کی بعض سے ملاقات ممکن ہو۔

اگرچہ امام نوویؒ نے شرح مسلم کے اپنے مقدمہ میں اس قول کو ضعیف قرار دیا ہے اور علی

---

[1] اس موقعہ پر علامہ کوثری کی بات یاد کیجئے جو انھوں نے حازمی کی شروط الأئمة الخمسة کے حاشیہ میں لکھی ہے، نیز اِس تشبیہ پر بھی غور کیجئے، معنعن میں ملاقات اور اتصال ممکن ہے، مرسَل میں خواہ بڑے تابعی کی ہو یا چھوٹے کی آنحضور ﷺ سے ملاقات ممکن نہیں، پھر یہ تشبیہ کیسے صحیح ہوگی۔ فضل

[2] شیخ ابراہیم بن عبداللہ اللاحم نے (الاتصال والانقطاع) میں اس سے اختلاف کیا ہے دیکھئے ص ۱۶۔ فضل

بن مدینی اور بخاری وغیرہ کے مذہب کو مختار اور صحیح قرار دیا ہے۔ (مقدمۂ شرح مسلم ۲۰)

اسی طرح یہ لکھا کہ ہم نہیں کہتے کہ مسلم نے صحیح مسلم میں اس پر عمل کیا، کیونکہ وہ بہت سے طرق لاتے ہیں جسکے ساتھ یہ کہنا مشکل ہے کہ راوی نے مروی عنہ سے نہیں سنا. (ص ۱۳)

یہاں یہ لکھتے ہیں کہ یہی صحیح ہے اور اس پر عمل ہے، اور وہاں وہ لکھتے ہیں، یہ امام نوویؒ کے کلام میں عجیب تعجب خیز اضطراب اور اختلاف ہے، شیخ ابو غدہ نے بھی اس کا تذکرہ کیا.

(۴)۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے ھدی الساری میں جہاں غیر مدلّس کی معنعن روایت پر بحث کی ہے وہاں لکھا کہ مسلم نے جو اتصال کا حکم لگایا (یعنی صرف لقاء کے امکان پر) اگر چہ ہم نے اس کو مان لیا لیکن یہ بات ظاہر ہے کہ بخاری کی شرط اتصال میں زیادہ ظاہر ہے۔ (ہدی ص ۸)

یہی بات بعینہ نکت علی ابن الصلاح میں بھی لکھی۔ (نکت ۱/۲۸۹)

یہ مسلم کے ساتھ نفس مسئلہ میں موافقت ہوئی۔

(۵)۔ شاہ عبد الحق محدث دہلویؒ م ۱۰۵۲ھ نے لمعات التنقیح فی شرح مشکاۃ المصابیح میں لکھا: عنعنہ میں امام مسلم کے یہاں معاصرت شرط ہے، بخاری کے یہاں ملاقات، دوسرے کچھ لوگوں کے یہاں استفادہ کرنا، مسلم نے دونوں فریقوں کی سخت تردید کی ہے، مدلّس کا عنعنہ قبول نہیں. (۱/۲۵) مسلم کے قول سے بات شروع کی اور بخاری وغیرہ کی طرف سے کوئی مدافعت نہیں کی، علی بن مدینی کا نام بھی نہیں لیا.

(۶)۔ علامہ محقق مدقق محمد بن اسماعیل یمانی امیر صنعانیؒ م ۱۱۸۲ھ نے توضیح الافکار میں حافظ ابن حجرؒ کی بخاری کے مذہب کی وجوہ ترجیح کی تردید کرنے کے بعد فرمایا:

جب تم نے یہ جان لیا تو مسلم کا مذہب صاحب انصاف کے یہاں قوت سے خالی نہیں، ابو محمد ابن حزم نے کتاب الاِحکام ۲/۲۱ میں فرمایا: عدل کی روایت دوسرے عدل سے جس کو پایا

ہے لقاء اور سماع پر محمول ہے خواہ اخبرنا کہے یا حدثنا یا عن فلاں یا قال فلاں، سب اس سے سننے پر محمول ہے۔ (توضیح الافکار ۱/۳۳۴) یہی امام مسلم کا مذہب ہے

(۷)۔ امام ابن جماعہ محمد بن ابراہیم الکنانی الحموی ثم المصریؒ م ۷۳۳ھ اپنی مختصر (المنھل الروِیّ فی مختصر علوم الحدیث النبوی) میں لکھتے ہیں: صحیح بات جس پر جمہور علماء، محدثین، فقہاء، اور اصولیین ہیں یہ ہے کہ حدیث متصل ہے جب کہ لقاء ممکن ہو بشرطیکہ راوی مدلّس نہ ہو. (ص ۶۴)

(۸)۔ علامہ طیبیؒ نے بھی بعینہ اس کو خلاصہ میں نقل کیا. (۴۷) [1]

(۹)۔ سید شریف جرجانیؒ نے بھی اسی کو اختیار کیا، فرمایا: میں امام مسلم کی پیروی کرتا ہوں، صحیح یہ ہے کہ ایسی حدیث متصل ہے جب کہ راوی اور مروی عنہ میں ملاقات ممکن ہو اس طرح کہ دونوں ایک زمانہ میں ہوں اور راوی تدلیس کے عیب سے پاک ہو.

(۱۰)۔ علامہ محدث فقیہ محقق شبیر احمد عثمانیؒ دیو بندیؒ م ۱۳۶۹ھ نے بھی اسی کی تائید کی اور بہت مدلل مبرہن بحث کی جو علماء دیو بند کا طریقہ ہے، فتح الملہم اور اس کے مقدمہ میں اور بخاری شریف کے سبق میں اس کو بیان کیا.

(علامہ عثمانیؒ کی تقریر مسلم کی تائید میں)

علامہ عثمانیؒ نے ایسی تقریر کی ہے جس سے مسلم کا اعتراض امام بخاری وغیرہ پر صحیح معلوم ہوتا ہے، اور بخاری کی تائید میں امام نووی اور حافظ وغیرہ نے جو تقریر کی ہے اس کا معقول جواب بھی ہو جاتا ہے، اسی سے یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ صرف مسلم کی شرط پر جو حدیثیں

---

[1] شیخ ابراہیم بن عبد اللہ لاحم نے (الاتصال والانقطاع) میں ان دونوں کی امام مسلم کے ساتھ موافقت سے انکار کیا ہے. دیکھئے ۱۶۶

ہیں وہ بھی صحیح ہیں اگر چہ جن حدیثوں میں بخاری وغیرہ کی شرط موجود ہو وہ زیادہ صحیح ہیں .

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ مقدمۂ فتح الملہم میں تحریر فرماتے ہیں: شیخ الاسلام حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا: جس نے حدیث معنعن پر مطلقا انقطاع کا حکم لگایا اس نے سختی کی اور جس نے طول صحبت کی شرط لگائی وہ بھی اس کے قریب ہے اور جس نے معاصرت پر اکتفاء کیا اس نے سہولت پیدا کی (اور معلوم ہے کہ وہ مسلم اور ان کے ہم خیال ہیں لقاء کے قوی امکان کے ساتھ .فضل) اور درمیانی صورت جس کے بعد سختی ہے بخاری اور اسکے موافقین کا مذہب ہے، اور مسلم نے ان پر جو اعتراض کیا ہے کہ پھر انکو معنعن روایت ہمیشہ رد کرنی پڑیگی (خواہ سماع ایک مرتبہ ثابت ہو) وہ وارد نہیں ہوتا اسلئے کہ مسئلہ غیر مدلّس میں مانا گیا ہے اور جو بغیر سنے ہوئے عن سے روایت کرے وہ مدلس ہے. (تدریب الراوی ۱۱۶ وشرح نخبہ ۳۰ طبع کراچی)

بندہ ضعیف عفا اللہ عنہ عرض کرتا ہے :

اس میں شک نہیں کہ راوی کی روایت ایسے شخص سے جس کا زمانہ نہیں پایا ارسال جلی ہے، لیکن جس نے اپنے معاصر سے بغیر سنے ہوئے کوئی روایت ایسے لفظ سے ذکر کی جس میں سننے کا وہم ہوتا ہو تو اس میں کئی احتمالات ہیں :

(۱)۔ لقاء (۲) ۔ عدم لقاء اور لقاء کی تقدیر پر(۱)۔اس کے سوا دوسری حدیث کا سننا (۲)۔بالکل کوئی حدیث نہ سننا، (یہ کل تین صورتیں ہوئیں)، بعض لوگ سب کو تدلیس کہتے ہیں جیسا کہ اس سے پہلی فصل میں گزرا، اور بعض لوگ سب کو ارسال خفی کہتے ہیں جیسا کہ تدریب الراوی میں ہے، کہ ارسال خفی یہ ہے کہ راوی کا ارسال معلوم ہو اس طریقہ پر کہ معاصرت کے باوجود یہ معلوم ہو کہ ملاقات نہیں ہوئی یا یہ کہ ملاقات تو ہوئی لیکن سنا نہیں، یا یہ کہ یہ حدیث نہیں سنی دوسری حدیث سنی. (تدریب الراوی ۲/۲۰۵)

۱؎ جیسے کہا ہو : قال فلان یا عن فلان وغیرہ. (ابن الصلاح ،تقریب وغیرہ) . فضل

تو تدلیس اس وقت ارسال خفی میں داخل ہے .

حافظ ابن حجرؒ نے ان دونوں میں فرق کیا، لقاء کی صورت میں اس کو تدلیس کہا، اور صرف معاصرت (بغیر لقاء کے) کی صورت کو ارسال خفی کہا، میرا خیال یہ ہے کہ نام رکھنے اور اصطلاح بنانے میں کوئی تنگی نہیں، ایسا کر سکتے ہیں، لیکن اس سے احکام اور حقائق نہیں بدلیں گے، اس مسئلہ میں خوب اچھی طرح غور کیا جائے تو سمجھ میں آتا ہے کہ جہاں ابہام نہ ہو اس کو ارسال کہا جائے اور جہاں ابہام ہو اس کو تدلیس کہا جائے، لہذا جب کسی آدمی نے اپنے معاصر سے روایت ذکر کی اور معلوم ہو گیا کہ اس سے اس کی ملاقات نہیں ہوئی یا کوئی حدیث نہیں سنی یا خاص یہ حدیث نہیں سنی ان میں سے کوئی صورت ہو تو اسکو ارسال کہنا زیادہ صحیح بات ہوگی اور اگر نفی بھی ثابت نہ ہو اور سننے کا ثبوت بھی معلوم نہ ہو بلکہ ابہام ہو اور ملنے اور سننے کا احتمال وامکان ہو تو اسکو (تدلیس کہنا چاہئے) کوئی وجہ نہیں کہ تدلیس سے نکال کر ارسال میں داخل کیا جائے، کیونکہ تدلیس کی مذمت کی جو وجہ ہے یعنی ابہام وہ یہاں موجود ہے، اس سلسلہ میں خطیب بغدادیؒ کا کلام الکفایہ میں بہت ہی ٹھوس اور گہرا ہے، اس بحث میں بالکل فیصلہ کن ہے، تدلیس کے بیان میں لکھتے ہیں:

'' راوی نے جس حدیث کو مروی عنہ سے سنا نہیں ہے اس کو ایسے طریقہ پر بیان کرے گویا کہ اس نے اس سے سنا ہے یہی حدیث کی تدلیس ہے، اسکو صاف بیان نہ کرے (کہ سنا ہے یا نہیں سنا ہے) اگر صاف بیان کردے کہ میں نے اس سے یہ حدیث سنی نہیں ہے تو وہ حدیث کا ارسال کرنے والا کہا جائے گا، تدلیس کرنے والا نہیں، کیونکہ جو ارسال کرتا ہے وہ اس وہم میں نہیں ڈالتا کہ میں نے اس سے سنا ہے، میں اس سے ملا ہوں، باوجودیکہ سنا نہیں ہے، ہاں جس تدلیس کو ہم نے بیان کیا اُس میں ارسال ضرور موجود ہے، کیونکہ مدلس نے واسطہ ذکر نہیں کیا ہے، مدلس کا حال مُرسِل سے صرف اسلئے الگ ہے کہ مدلّس یہ وہم دِلاتا ہے کہ میں

نے مروی عنہ سے سنا ہے حالانکہ واقعۃً سنا نہیں ہے، اسی وجہ سے اس کا معاملہ کمزور ہو جاتا ہے، اسلئے تدلیس میں ارسال ضرور موجود ہے، ارسال میں تدلیس نہیں ہوتی، کیونکہ ارسال میں وہم نہیں دِلایا جاتا ہے کہ میں نے اوپر والے سے سنا ہے، اسلئے علماء نے ارسال کی مذمت نہیں کی (کیونکہ وہاں کسی راوی کا ساقط ہونا ظاہر ہے) اور مدلس کی مذمت کی، کیونکہ دھوکہ موجود ہے. اھ کلام الخطیب

حاصل یہ ہے کہ جہاں ابہام ہے وہ حقیقت میں تدلیس ہے جو مذموم اور بری ہے خواہ اس کا نام آپ تدلیس رکھیں یا ارسال خفی، بلکہ ابن عبدالبر کے کلام سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس کو لوگ ارسال خفی کہتے ہیں یہ اس سے زیادہ خراب اور برا ہے جس کو لوگ تدلیس کہتے ہیں، کیونکہ اس میں ملاقات اور سماع دونوں کا وہم دلانا پایا جاتا ہے، بخلاف ارسال جلی کے جو مذموم نہیں ہے، اسلئے کہ اس میں التباس اور اشتباہ نہیں ہے .

جب آپ نے یہ تفصیل جان لی تو اب سنئے کہ امام مسلمؒ نے بخاریؒ پر جو اعتراض کیا وہ میرے نزدیک قوی ہے، بخاری نے صرف معاصرت کو لقاء اور سماع کے امکان کے باوجود کافی نہیں مانا بلکہ معنعن روایت کو قبول کرنے کیلئے دونوں میں ایک مرتبہ ملاقات اور سماعت کو ضروری قرار دیا حالانکہ معلوم ہے کہ ایک دفعہ ملاقات اور سماع سے یہ نہیں لازم آتا کہ ہر حدیث سنی ہو جب تک سماعت کی تصریح نہ کرے، تو جب معنعِن بغیر سماعت کی تصریح کے حدیث ذکر کرے تو نہ سننے کا احتمال موجود ہے اسلئے بخاریؒ کو وہ حدیث قبول نہیں کرنی چاہئے (جیسے مطلقا ملاقات اور سماعت ثابت نہ ہونے کی صورت میں قبول نہیں کرتے).

سوال : اب اگر آپ کہئے کہ یہ تدلیس کا احتمال ہے اور مسئلہ مانا گیا ہے غیر مدلس میں (اسلئے قبول ہے)

جواب : تو ہم کہیں گے کہ بعینہ یہی جواب وہاں بھی کافی ہے جہاں مسلم صرف معاصرت

کی وجہ سے ملاقات اور سماع کے امکان کے ساتھ حدیث معنعن کو متصل مانتے ہیں، کیونکہ یہ بھی حقیقۃً تدلیس ہے جیسا کہ ابھی ہم نے ثابت کیا، شاید امام مسلمؒ بھی اس کو تدلیس سمجھتے ہیں اگرچہ بعض نے اس کا نام ارسال خفی رکھا ہے بلکہ یہ تدلیس سے بھی برا ہے جیسا کہ ابن عبدالبرؒ نے فرمایا، اور نزاع صرف غیر مدلس میں ہے (لہذا روایت قبول ہوگی جیسا کہ ایک مرتبہ ملاقات کی صورت میں)، صرف بعض علماء کی طرف سے نام کی اصطلاح قائم کرنے سے حقیقت نہیں بدلتی اور نہ قبول و رد کے احکام میں فرق آتا ہے .

حافظ نے فرمایا کہ تدلیس میں ملاقات کا اعتبار ہے صرف معاصرت کافی نہیں، اس کی دلیل یہ ہے کہ تمام محدثین اس پر متفق ہیں کہ مخضرمین جیسے ابوعثمان نہدی اور قیس بن حازم وغیرہ جنہوں نے آنحضورﷺ کا زمانہ پایا لیکن آپ سے ملے نہیں ان کی روایتیں مرسَل ہیں مدلَّس نہیں، اگر تدلیس میں صرف معاصرت کافی ہوتی تو یہ حضرات مدلِّس کہلاتے مرسِل نہیں، کیونکہ معلوم ہے کہ یہ حضرات آنحضرتﷺ کے زمانہ میں تھے، یہ معلوم نہیں کہ ملے یا نہیں . (شرح نخبہ)

اس پر ملاعلی قاری نے بحث کی اور بتایا کہ حافظ کی یہ بات صحیح نہیں مخضرمین کی روایات کو تدلیس کے قبیل سے نہیں شمار کیا گیا اسلئے کہ یہ ارسال جلی کے قبیل سے ہیں، کیونکہ مخضرمین کے بارے میں معلوم ہے کہ ان کی آنحضورﷺ سے ملاقات نہیں ہوئی، عدم ملاقات کا علم اور ملاقات کا عدم علم، ان دونوں میں بہت فرق ہے .

اسی سے ابوحاتم رازی کی اس بات کا جواب بھی معلوم ہوگیا جو انھوں نے ابوقلابہ جرمیؒ کے تذکرہ میں فرمائی، لکھتے ہیں: ابوقلابہ نے ایسے کئی لوگوں سے روایت کیا جن سے سنا نہیں، لیکن ان کے زمانہ میں تھے، جیسے ابوزید عمرو بن اخطب . اھ اس کے باوجود یہ بھی لکھا کہ ان سے تدلیس معلوم نہیں. اھ

حافظ تہذیب میں ابو قلابہ کے تذکرہ میں لکھتے ہیں: اس سے ان لوگوں کی تائید ہوتی ہے جو ملاقات کو شرط قرار دیتے ہیں صرف معاصرت کو کافی نہیں سمجھتے ۔ اھ

(حافظ کا یہ نتیجہ صحیح نہیں) یہاں معاصرت ہے عدم سماع کے ثبوت کے ساتھ، اور مسلم کا مذہب یہ ہے کہ صرف معاصرت کافی ہے لقاء اور سماع کے احتمال (قوی) کے ساتھ، اور عدم ثبوت اور ثبوتِ عدم میں فرق ظاہر ہے، اور ہوسکتا ہے کہ ابو قلابہ کی روایتیں ان حضرات سے ایسے صیغہ کے ساتھ ہوں جس میں سماع کا ایہام نہیں ۔

سخاوی نے فتح المغیث میں فرمایا: ''مسلم نے یہ اعتراض کیا کہ ایسی حدیثیں پائی جاتی ہیں جن کی صحت پر ائمہؒ کا اتفاق ہے حالانکہ وہ معنعن مروی ہیں اور کسی روایت میں ان کے بعض راوی کا اپنے شیخ سے ملنا مذکور نہیں'' ، یہ اعتراض لازم نہیں، کیونکہ مسلم کا نہ جاننا واقعہ میں ملاقات نہ ہونے کو مستلزم نہیں ۔ (فتح المغیث ۱/۱۶۳)

(یہ بات حافظ نے بھی فرمائی ہے ۔ (دیکھئے نکت علی ابن الصلاح ۲/۵۹۶)

میں کہتا ہوں بیشک مسلم کے نہ جاننے سے نفس الامر میں نفی لازم نہیں آتی لیکن مسلم جیسے وسیع النظر حجت امام کا دعوی پوری طرح تتبع اور تلاش کے بعد ایسا نہیں ہے کہ اس کا مقابلہ محض عقلی امکان سے کیا جائے، بلکہ اس کا جواب اس طرح ہوگا کہ مسلم نے جہاں نفی کی ہے وہاں ملاقات کو ثابت کردیا جائے تا کہ مسلم کی غلطی اور ان کی تلاش کا قصور ثابت ہوجائے [1] ورنہ صرف عقلی احتمالات مسلم کے دعوی کو باطل کرنے میں کام نہیں دیں گے جیسے اس طرح کا احتمال خبر واحد کی حجیت کو باطل کرنے کیلئے مفید نہیں جب کہ وہ حدیث محدثین کی شرط کے مطابق صحیح ہو ۔

امام نوویؒ نے (امام بخاری کی حمایت کرتے ہوئے شرح مقدمۂ مسلم میں) فرمایا:

---

[1] حافظ نے مسلم کے بعض دعاوی کو توڑ دیا جیسا کہ گزرا، لیکن سب کو نہیں ۔ فضل

''جب صرف ملاقات ممکن ہو لیکن ثابت نہ ہو تو وہاں اتصال کا غلبۂ ظن حاصل نہیں ہوتا اور جب ایک دفعہ ملاقات ثابت ہوجاتی ہے تو غلبۂ ظن حاصل ہوجاتا ہے''۔ (شرح مقدمہ ۲۱)

تو اس کا جواب یہ ہے کہ امام مسلم اور ان کے ہم خیال کو جو ان کے نزدیک جمہور اہل علم ہیں صرف امکانِ لقاء کی صورت میں بھی غلبۂ ظن حاصل ہوجاتا ہے ۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم بالصواب ۔ (مقدمہ فتح الملہم طبع کراچی ۱۱۲)

علامہ امیر صنعانیؒ نے توضیح الافکار میں حافظ کے قول **[فلا یلزم من ذالک عنده نفیه فی نفس الأمر]** (النکت علی ابن الصلاح ۲/۵۹۶) پر حاشیہ میں لکھا :

''حافظ کے اس قول سے مسلم کی بات کا جواب نہیں ہوتا، کیونکہ آدمی نفس الامر کا مکلّف نہیں، ورنہ ہر ظاہر کے خلاف نفس الامر ہوسکتا ہے، (اللہ تعالی اور اسکے رسول ﷺ کا) خطاب ظاہر سے متعلق ہوتا ہے، نفس الامر سے نہیں، دیکھئے کسی ثقہ کو عادل سمجھ کر اسکی بات پر اعتماد کیا جاتا ہے (اس کی گواہی پر فیصلہ کیا جاتا ہے) حالانکہ ہوسکتا ہے کہ نفس الامر میں وہ عادل نہ ہو بلکہ ہوسکتا ہے کہ وہ مسلم بھی نہ ہو مگر ہم مکلّف ہیں کہ اسکی بات مانیں، اسی طرح ثقہ جسکو صحیح بتاتا ہے ہوسکتا ہے کہ وہ موضوع ہو، بہرحال نفس الامر کی تکلیف نہیں''۔ (توضیح الافکار ۱/۳۳۴)

اس سے علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی تائید ہوتی ہے ۔ (ابوغدہ تتمۃ الموقظہ ۱۳۲)

اسی طرح امیر صنعانیؒ نے ایک اور بہت عمدہ بات تحریر فرمائی، لکھتے ہیں :

بخاری اور مسلم کے درمیان اختلاف صرف عن عن کی روایت میں ہے، ہر جگہ نہیں، بخاری نے ملاقات (اور سماع) کو شرط قرار دیا، اور مسلم نے معاصرت (اور امکان لقاء) کو اسلئے پوری صحیح بخاری کو اس شرط کی وجہ سے ترجیح نہیں ہوگی بلکہ یوں کہا جائے گا کہ بخاری کی معنعن، مسلم کی معنعن سے زیادہ صحیح اور راجح ہے، اس کے علاوہ جو حدیثیں حدثنا (اخبرنا اور انبانا متقدمین کے نزدیک) وغیرہ سے منقول ہیں ان میں بخاری مسلم دونوں برابر ہیں، کیونکہ یہ الفاظ اس

وقت بولتے ہیں جب روایت سامنے بول کر لی گئی ہو، اختلاف صرف عنعنہ کی روایت میں ہےاور یہ مسلم کے یہاں متصل ہے. (توضیح الافکار ۱/۳۴۴) (یعنی جب کہ معاصرت اور لقاء ممکن ہو . فضل)

(موطأ کا تکملہ : شیخ ابوغدہؒ ص۱۳۳) (توضیح الافکار ۱/۵۵ ۱/۳۳۴ فی نسختنا)

علامہ شبیر احمد عثمانی مقدمہ فتح الملہم میں لکھتے ہیں :

'' امام مسلمؒ نے قدیم اور جدید علماء کا اس بات پر اجماع نقل کیا ہے کہ حدیث معنعن متصل مانی جائیگی جب کہ راوی اور مروی عنہ کے درمیان ملاقات ممکن ہو یعنی جب کہ راوی تدلیس سے پاک ہو اور اپنے زمانہ کے بعض علماء سے (شاید وہ بخاریؒ ہیں) یہ نقل کیا کہ '' جب تک دونوں کے درمیان ایک دفعہ یا زیادہ ملاقات ثابت نہ ہو اس کو متصل نہیں مانیں گے اور اس سے استدلال صحیح نہیں ہوگا صرف امکان لقاء کافی نہیں'' .

مسلم فرماتے ہیں: ''یہ قول بے کار نیا گھڑا ہوا ہے، اس سے قبل اس کا کوئی قائل نہیں تھا، کوئی عالم اس کا مؤید نہیں، اس قول کو لینا بدعت، باطل ہے، اس کی وجہ سے حدیثوں کا ایک ذخیرہ بیکار ہو جائیگا ''.

مسلم نے اس کے قائل کی برائی بہت تفصیل سے بیان کی اور بہت چیلنج کیا، اس کے خلاف اگر کوئی اجماع کا دعوی کرے تو وہ سنا نہیں جائیگا الا یہ کہ وہ کوئی امام مسلمؒ جیسا ہو یا اس سے بھی اونچا. (مقدمہ فتح الملہم ۱۱۲)

(امام مسلمؒ نے یہ سخت لب ولہجہ کیوں اختیار کیا؟)

امام مسلمؒ کی تردید خواہ علی بن مدینی اور امام بخاری کے خلاف ہو یا کسی اور کے، بہر حال وہ اہل علم ہیں، ان کے لئے امام مسلمؒ نے یہ سخت لب ولہجہ کیوں اختیار کیا، اس کی بہترین

توجیہ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے مقدمہ فتح الملہم میں تحریر فرمائی ہے .

امام اعظم ابوحنیفہؒ کے اوپر جرحوں کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں :

'' بندہ ضعیف عرض کرتا ہے : جان لینا چاہئے کہ ہمارے امام ابوحنیفہؒ پر جن لوگوں نے اعتراضات کئے ہیں اور ان کے زمانہ کے جن اکابر نے حملے کئے ہیں ہم انکے بارے میں اچھا گمان رکھتے ہیں، (بات یہ ہے کہ) ایک باغیرت مسلمان جو نیت میں سچا ہو جب کسی مشہور شخص کی ایسی بات سنتا ہے جس کے بارے میں اسکا خیال ہے کہ اس سے دین کو نقصان ہوگا اور نبی پاک ﷺ کی احادیث کی تردید ہوگی (اگر چہ واقعہ ایسا نہ ہو) تو اس کو ایک دینی غیرت لاحق ہوتی ہے اور جوش پیدا ہوتا ہے اور بغض فی اللہ پیدا ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ سخت گفتگو کرتا ہے اور مخالف کے خلاف سخت جملے استعمال کرتا ہے یہ سمجھتے ہوئے کہ میں دین کی طرف سے مدافعت کرتا ہوں اور شریعت کی حفاظت کرتا ہوں .

اس کی مثال امام مسلم کا کلام ہے امام بخاریؒ کے بارے میں اپنی صحیح کے مقدمہ میں ان لوگوں کے خلاف بہت سخت لب ولہجہ اختیار فرمایا ہے جو معنعن کی روایت میں ایک مرتبہ ملاقات اور سماع کی شرط لگاتے ہیں، یہ سمجھتے ہوئے کہ اس شرط کی وجہ سے احادیث صحیحہ کا ایک ذخیرہ بیکار ہو جائے گا، اور کام کا نہیں رہے گا، اس غیرت کی وجہ سے اس قول کی سخت تردید کی اور اس کے قائلین پر خوب نکیر کی (اگر چہ وہ علی بن مدینی اور بخاری وغیرہ کا قول ہے، خواہ مسلم کو معلوم رہا ہو یا نہ معلوم رہا ہو، بہر حال کچھ محدثین کا قول تو تھا)

اس کے باوجود عام شراح نے بخاری کے مذہب کو ترجیح دی اور اس کو درست قرار دیا اور مسلم کو ان کے سخت لب ولہجہ اختیار کرنے پر ملامت نہیں کی .

اسی طرح صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان جو اختلافات ہوئے اور لڑائیاں ہوئیں اجتہاد و تاویل کی بنیاد پر ہوئیں، ہر ایک یہی سمجھتا رہا کہ میں جو کہہ رہا ہوں وہی واجب ہے،

دین اور مسلمانوں کیلئے وہی مفید اور نفع بخش ہے، اسلئے ان پر اعتراض نہیں کیا جاسکتا۔

موسیٰ علیہ السلام کا قصہ ہارون علیہ السلام کے ساتھ دیکھئے اور اس میں غور کیجئے، تو مشاجرات صحابہ اور معتبر ائمہ کے درمیان جو واقعات پیش آئے اس میں کوئی اشکال نہیں ہوگا، دل مطمئن ہوجائے گا۔ (مقدمہ فتح الملہم طبع کراچی ۱/۱۹۸)

اسی مضمون کو علامہ عثمانیؒ کے شاگرد علامہ شیخ حبیب الرحمٰن اعظمیؒ نے مختصراً یوں بیان فرمایا: (**هكذا غضبات المحدثين و لو مع شيوخهم**) ایسے ہی محدثین کے غصے ہوتے ہیں اگرچہ اپنے اساتذہ کے ساتھ ہو، اسکو شیخ ابوغدہؒ نے نقل کیا، اپنے شیخ علامہ محدث اعظمیؒ سے سوال کیا کہ بعض منتحلی الحدیث سے مقدمۂ مسلم میں کون مراد ہے؟ تو فرمایا: بخاری، اس پر اشکال کیا کہ امام مسلمؒ سے اپنے استاد امام بخاری کے بارے میں ایسا کلام صادر ہونا بعید ہے، تو فرمایا: **هكذا غضبات المحدثين ولو مع شيوخهم**۔ (تتمہ تعلیقات علی الموقظہ ۱۳۵)

شیخ عبدالفتاح ابوغدہ نے اس کی کئی مثالیں پیش کی ہیں، تیسرے تتمہ میں اس کو ملاحظہ کیا جائے، مثلاً: ابن ابی ذئب محمد بن عبدالرحمٰن قرشی مدنیؒ مشہور محدث امام کو خبر ملی کہ امام مالکؒ خیار مجلس کی حدیث پر عمل نہیں کرتے تو فرمایا: مالک سے توبہ کرائی جائے، توبہ کرلیں تو ٹھیک ہے ورنہ گردن اڑادی جائے گی۔ (تاریخ بغداد ۲/۳۰۲)

ابان بن ابی عیاش: ایک ضعیف عبادت گزار محدث ہیں، شعبہ ان سے بہت ناراض تھے، کہتے ہیں: میں گدھے کا پیشاب پی جاؤں یہ مجھے اس سے زیادہ محبوب ہے کہ کہوں حدثنا ابان بن ابی عیاش، کبھی یہ کہا: میرا گھر اور گدھا سب مساکین پر صدقہ ہے اگر ابان حدیث میں جھوٹ نہ بولتا ہو۔ (میزان للذہبی ۱/۱۰)

ابوہارون عُمارہ بن جُوین عبدی کے بارے میں شعبہ نے کہا: میری گردن اڑادی جائے یہ مجھے زیادہ پسند ہے اس سے کہ میں ابوہارون سے روایت کروں۔ (میزان ۳/۱۷۳)

امام بخاریؒ نے محمد بن مقاتل رازی کے بارے میں فرمایا: میں آسمان سے زمین پر گرجاؤں یہ مجھے زیادہ پسند ہے اس سے کہ مقاتل سے روایت کروں۔ (تہذیب التہذیب ۹/۴۶۹ ولسان ۵/۳۸۸)

ابن المبارکؒ عبداللہ بن محررؒ کے زہد وصلاح کی وجہ سے ان کے بہت معتقد تھے، اور فرمایا تھا کہ اگر مجھے اختیار دیا جائے کہ میں جنت میں جاؤں یا عبداللہ بن محرر سے ملوں تو پہلے میں ان سے ملوں گا پھر جنت میں جاؤں گا (لیکن جب ملاقات ہوئی اور دیکھا کہ حدیث میں جاہل ہیں اور بہت خلط ملط کرتے ہیں تو فرمایا): مینگنی ہونا ان سے زیادہ محبوب ہے، **كانت بعرةٌ أحبَّ اليّ منه**۔ (مقدمہ مسلم ۲۰) (تتمہ موقظہ: شیخ ابوغدہ ص۱۲۳)

سعید بن جبیرؒ نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ذکر کیا کہ نوف بکالیؒ کہتے ہیں کہ حضرت خضر کا واقعہ جن موسیٰ کے ساتھ پیش آیا تھا وہ موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے پیغمبر (صاحب تورات) نہیں ہیں، کوئی دوسرے ہیں، تو ابن عباسؓ نے فرمایا: **كذبَ عدوُّ الله**، اللہ کے دشمن نے غلط کہا، پھر ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی بات ذکر کی کہ وہی موسیٰ بنی اسرائیل کے مشہور پیغمبر ہیں۔ (بخاری ۲۳)

نوف بکالی تابعی عالم ہیں، لیکن ان کا قول خلاف تحقیق تھا اسلئے ابن عباسؓ کو غصہ آیا اور عدواللہ فرمادیا: **هكذا تكون غضبات العلماء**۔

حافظ ابن حجرؒ اس کی شرح میں لکھتے ہیں: ابن التین نے فرمایا: ابن عباسؓ نوف کو اللہ تعالیٰ کی ولایت سے نکالنا نہیں چاہتے لیکن علماء کے قلوب خلافِ حق بات سنکر متنفر ہوجاتے ہیں اور اس طرح کا سخت کلام کرلیتے ہیں، مقصد ڈانٹنا ہوتا ہے اور لوگوں کو اس سے بچانا، حقیقی معنی مراد نہیں ہوتا۔

حافظ کہتے ہیں: ہوسکتا ہے کہ ابن عباس کو نوف کے اسلام کی صحت میں شبہہ رہا ہو،

اسی لئے حُرّ بن قیس رضی اللہ عنہ کے بارے میں ایسی بات نہیں فرمائی باوجودیکہ انھوں نے بھی اسی طرح کی بات کہی تھی (وہ خضر علیہ السلام کو موسی علیہ السلام کا ساتھی نہیں مانتے تھے)، ابن عباسؓ نے نوف کی جو تکذیب کی اس سے معلوم ہوا کہ کسی عالم کے پاس کسی چیز کا علم ہو اور وہ دوسرے کو سنے کہ بغیر علم کے بول رہا ہے تو اسکی تکذیب کرسکتا ہے، اس کی مثال یہ بھی ہے:

کذب أبو السنابل، ایسی بات کہی جو باطل ہے ۔ **(فتح الباری ۱/۲۱۹)**

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ مقدمۂ فتح الملہم میں لکھتے ہیں :

’’یہ بغض فی اللہ کبھی بڑھتا ہے اور مضبوط ہوتا ہے اور کبھی حد سے تجاوز کرجاتا ہے اور حق بات اور حقیقتِ واقعہ کو معلوم کرنے میں دبیز حجاب بن جاتا ہے، پھر بُغض رکھنے والا مبغوض کی خوبیوں سے چشم پوشی کرتا ہے اور برائیوں کو پھیلانے میں تساہل برتتا ہے اور حقیقتِ حال معلوم کرنے کی زحمت نہیں اٹھاتا، اور اس کے کلام کا اچھا مفہوم تلاش نہیں کرتا، سخت دشمنی اور سخت محبت دونوں ہی آدمی کو غلو اور اسراف میں مبتلا کردیتی ہیں اور اعتدال سے ہٹادیتی ہیں، اسی لئے اللہ تعالی کا ارشاد ہے :

یـأیها الذین آمنوا کونوا قوّامین بالقسط شهداء للّٰه ولو علی أنفسکم أو الوالدین والأقربین، اِن یکن غنیا أو فقیراً فاللّٰه أولی بهما فلا تتبع الهوی أن تعدلوا.

(نساء : ۱۳۵)

اورفرمایا : **و لا یجرِمنّکم شنآنُ قوم علی أن لا تعدلوا، اعدلوا هو أقرب للتقوی .** (مائدہ : ۸)

اے ایمان والو! انصاف کو قائم کرنے والے بنو، اللہ کیلئے گواہی دو، خواہ اپنے اور والدین اور رشتہ داروں کے خلاف ہی کیوں نہ ہو، اگر وہ مالدار یا محتاج ہے تو اللہ تعالی ان کے زیادہ قریب ہے، نفسانیت کا اتباع کرکے عدل وانصاف سے نہ ہٹو ۔ **(نساء : آیت ۱۳۵)**

کسی قوم سے دشمنی انصاف سے تم کو نہ ہٹائے، انصاف کرو، وہ تقوی سے زیادہ قریب ہے.

(مائدہ: آیت نمبر ۸) (مقدمۂ فتح الملہم ص ۱۹۸ طبع کراچی)

اب اس زمانہ میں کچھ اور تحریرات سامنے آئیں جن میں جدید انکشاف ہے .

اجماع المحدثین : للشیخ الشریف حاتم :

شیخ الشریف حاتم العونی نے ۱۴۲۱ھ میں طائف میں ایک کتاب مرتب کی جس میں یہ دعوی کیا ہے کہ بخاری مسلم وغیرہ میں کوئی اختلاف ہی نہیں ہے، بخاری وغیرہ کی طرف جو قول منسوب ہے اس کی کوئی دلیل نہیں، کتاب کا نام ہے: **(اجماع المحدثین علی عدم اشتراط العلم بالسماع فی الحدیث المعنعن بین المتعاصرین)** .

لکھتے ہیں کہ سب سے پہلے شخص جنھوں نے امام بخاری اور علی بن مدینی وغیرہ کا مذہب امام مسلم کے خلاف بتایا وہ قاضی عیاض متوفی ۵۴۴ھ ہیں، انھوں نے اپنی کتاب اکمال المعلم میں سب سے پہلے یہ ذکر کیا کہ امام بخاری وغیرہ کے نزدیک حدیث معنعن میں راوی اور مروی عنہ کے درمیان لقاء اور سماع ضروری ہے، پھر ان کا اتباع ابوعبداللہ محمد بن عمر ابن رُشید متوفی ۷۲۱ھ نے کیا اور اس پر ایک کتاب لکھدی: **(السَنن الأبین و الموردِ الأمعن فی المحاکمة بین الامامین فی السند المعنعن)**، پھر صلاح الدین علائی نے اپنی کتاب (جامع التحصیل) میں ابن رشید کا اتباع کیا، ابن رجب حنبلی متوفی ۷۹۵ھ نے شرح علل الترمذی میں یہ بیان کیا کہ بخاری اور علی بن مدینی کے نزدیک (ابن رجب کے خیال میں) دونوں میں صرف ملاقات ضروری ہے لیکن امام احمد اور ابوزرعہ راوزی اور ابوحاتم رازی کے نزدیک حدیث سننا بھی ضروری ہے .

موقف الامامین : اور شیخ خالد منصور عبداللہ الدریس نے اپنی کتاب میں جو ۱۴۱۷ھ میں طبع ہوئی ہے ابن رجب کی تائید کی ہے، کتاب کا نام ہے **(موقف الامامین البخاری و مسلم من اشتراط اللقیا و السماع فی السند المعنعن بین المعاصرین)** .

(دیکھئے الاجماع ص ۱۳ و ۱۴ و ۳۵)

امام بخاریؒ کے مذہب کے بارے میں چار (۴) اقوال سامنے آئے جب کہ معنعن روایت میں راوی مدلس نہ ہو:

(۱)۔ صراحۃ دونوں میں سماع ثابت ہونا چاہئے. (السنن الأبین لابن رشید ص ۵۵)

(۲)۔ دونوں میں ملاقات معلوم ہو. (ابن رجب)

(۳)۔ دونوں میں ملاقات معلوم ہو اور کبھی معاصرت پر بھی اکتفاء کرلیتے ہیں جب کہ ملاقات اور سماع کے قوی قرائن موجود ہوں. (ابن رشید ۱۵۰)

(۴)۔ ملاقات یا سماع کی شرط صرف صحیح بخاری میں حدیث ذکر کرنے کیلئے ہے، کتاب کے باہر نہیں. (ابن کثیر، بلقینی وغیرہ). (اجماع ص ۱۵)

اگر یہ شرط معنعن حدیث میں نہ پائی جائے تو بخاری کا مذہب یہ نہیں ہے کہ وہ حدیث منقطع ہے بلکہ اس میں توقف ہوگا، شرط کا لازمی نتیجہ صرف اتنا ہی ہے، نہ کہ انقطاع کا حکم.

اسی کو ابن القطان فاسیؒ متوفی ۶۲۸ھ نے اپنی کتاب (بیان الوهم و الایهام) ۵۷۶/۲ میں بیان کیا ہے. (اجماع ص ۱۶)

بخاریؒ کا یہ مذہب کہاں سے معلوم ہوا ؟

پھر شیخ حاتم نے یہ بحث کی کہ بخاری کا یہ مذہب کہاں سے معلوم ہوا، تو زیادہ سے زیادہ یہ معلوم ہوا کہ امام بخاریؒ وغیرہ کسی حدیث میں علت اس طرح بیان کرتے ہیں کہ فلاں کا فلاں سے سماع میں نہیں جانتا، یا میں نے نہیں پایا، یا نہیں ذکر کیا جاتا. (ص ۳۹)

اس سے لوگ استدلال کرتے ہیں کہ اگر سماع کی شرط ضروری نہ ہوتی تو سماع کا علم نہ ہونے سے حدیث میں علت نکالنا صحیح نہ ہوتا. (ایضا)

شیخ حاتم کو یہ تسلیم نہیں، پھر اس پر بحث لمبی بحث کی ہے اور مثالیں دیں کہ مثلا سلیمان بن

بُریدہ اسلمی کو اپنے باپ سے سماع نہیں، بخاری نے تاریخ کبیر میں اس کو ذکر کیا، لیکن دوسری طرف بخاری نے مواقیت میں اس سند کی حدیث کو **اصح احادیث المواقیت** فرمایا. مسلم نے اس کی تخریج کی، اسی طرح ابن خزیمہ، ابن الجارود، ابن حبان نے، ترمذی نے اس کی تحسین کی.

اسلئے اس طرح کا جملہ **لا أعرف له سماعا** یا **لا یُعرف** اور کبھی کہد یتے ہیں **لم یسمع فلان عن فلان**، یہ صرف نہ سننے کی خبر ہے جو ظن پر مبنی ہے، کبھی قرائن سے اس میں قوت آتی ہے اور یقین کے درجہ کو پہونچ جاتا ہے، یہ حدیث کی تعلیل (اور تضعیف) نہیں ہے. (دیکھئے اجماع ص ۶۸ و ۷۰)

نیز لکھتے ہیں کہ اگر آپ یہ کہتے ہیں کہ بخاری نے لقاء کا علم نہ ہونے سے حدیث میں علت نکالی، اس سے معلوم ہوا کہ اتصال کیلئے بخاری کے یہاں لقاء کا علم شرط ہے.

تو میں کہتا ہوں کہ مسلم نے بھی اپنی کتاب (التمییز) میں ایک حدیث ذکر کی: **محمد بن علی بن عبد الله بن عباس عن جده عبد الله بن عباس رضی الله عنهما**، پھر لکھتے ہیں: **لا یُعلم له سماع من ابن عباس ولا أنه لقیه أو رآه**. (التمییز ۲۱۵)

باوجودیکہ ابن حبان نے لکھا ہے کہ محمد بن علی تابعی ہیں، اپنے دادا ابن عباس سے انکی روایت ہے، پھر بھی مسلم کو اس روایت کے قبول کرنے میں تردد ہے، اس کی وجہ ابن القطان فاسی نے یہ ذکر کی ہے کہ وہ اپنے دادا کے بیچ میں بعض حدیثوں میں واسطہ ذکر کرتے ہیں. اھ

اس سے یہ معلوم ہوا کہ زیادہ دنوں تک دادا کے ساتھ نہیں رہے، ورنہ واسطہ کیوں ذکر کرتے، اسلئے مسلم کے نزدیک راجح یہ ہے کہ سنا نہیں، اسلئے وہی عبارت ذکر کی جو بخاری وغیرہ ذکر کرتے ہیں. (اجماع ۷۰)

ابوصالح عن ابن عباس کی حدیث کو امام مسلم نے اپنی کتاب (التفصیل) میں غیر ثابت

کہا ہے اور فرمایا کہ لوگوں نے ان کی حدیث سے پرہیز کیا ہے اور ان کا سماع ابن عباس سے ثابت نہیں ۔ (اجماع ۷۳)

کفارۂ مجلس کی حدیث کا واقعہ بھی اس کی دلیل ہے، یہ قصہ صحیح مشہور ہے، مسلم کے اصرار کے بعد امام بخاری نے اس کی علت بیان کی کہ وھیب نے اس کو سہیل بن ابی صالح سے نقل کیا، انھوں نے عون بن عبداللہ بن عتبہ سے انکا قول اور موسی بن عقبہ نے سہیل سے سماع ذکر نہیں کیا، اور وھیب کی حدیث اولی ہے، تو مسلم نے فرمایا: آپ سے کوئی حاسد ہی دشمنی کرے گا اور میں گواہی دیتا ہوں کہ دنیا میں آپ جیسا کوئی نہیں ہے ۔ اھ

دیکھئے یہاں اعلال ہے سماع کا علم نہ ہونے کی وجہ سے اور مسلم اس پر راضی ہیں بلکہ مارے خوشی کے اڑنے کے قریب ہیں ۔

اس سے معلوم ہوا کہ مسلم صرف معاصرت پر اکتفاء نہیں کرتے بلکہ اسکے ساتھ ملاقات کے قرائن کا بھی اعتبار کرتے ہیں جیسے دوسرے اہل علم ۔ (الاجماع ۷۵)

امام مسلم نے جس طرح دو معاصر کی معنعن روایت کی قبولیت پر تدلیس سے سلامتی کی صورت میں اجماع نقل کیا اسی طرح ان کے بعد بھی قاضی عیاض متوفی ۵۴۴ھ سے پہلے کئی علماء نے اس مسئلہ پر علماء کا اجماع نقل کیا ہے :

(۱)۔ ابوالولید طیالسی ہشام بن عبدالملکؒ متوفی ۲۲۷ھ

(۲)۔ ابوعبداللہ حاکم نیشاپوریؒ متوفی ۴۰۵ھ معرفۃ علوم الحدیث میں

(۳)۔ حافظ مقری ابوعمرو الدانیؒ متوفی ۴۴۴ھ بیان المتصل والمرسل والموقوف والمنقطع میں

(۴)۔ ابومحمد ابن حزمؒ متوفی ۴۵۶ھ الاحکام فی اصول الأحکام میں

(۵)۔ ابوبکر البیہقیؒ متوفی ۴۵۸ھ معرفۃ السنن والآثار میں

(۶)۔ یوسف ابن عبدالبر القرطبی الاندلسی متوفی ۴۶۳ھ التمہید میں

شروط الأئمہ الستہ یا الخمسہ پر کتاب لکھنے والوں نے بھی بخاری وغیرہ سے لقاء کی شرط ذکر نہیں کی (۱)۔ سب سے پہلے شروط الأئمہ پر ابن مندہ متوفی ۳۹۵ھ نے کتاب لکھی ۔

(۲)۔ ان کے بعد محمد بن طاہر المقدسی متوفی ۵۰۷ھ نے (شروط الأئمۃ الستۃ) لکھی ۔

(۳)۔ اخیر میں ابوبکر محمد بن موسی الحازمی متوفی ۵۸۴ھ نے (شروط الأئمۃ الخمسۃ) لکھی ۔

محمد بن طاہر مقدسی نے لکھا ہے کہ بخاری و مسلم دونوں نے یہ مانا ہے کہ راوی اور مروی عنہ میں اگر عمر اور پیدائش کے لحاظ سے سننا ممکن ہے تو حدیث حجت ہوگی ۔ (دیکھئے ان کی کتاب الجمع بین رجال الصحیحن ۳/۱) (اجماع ۱۱۳)

مزید لکھتے ہیں: امام شافعیؒ متوفی ۲۰۴ھ، امام ابوبکر عبداللہ بن الزبیر حمیدیؒ متوفی ۲۱۹ھ، ابو بکر خطیب بغدادی متوفی ۴۶۳ھ اور ابوالحسن قابسی متوفی ۴۰۳ھ بھی اسی کے قائل ہیں جسکے قائل امام مسلم ہیں (یعنی معاصرت کافی ہے، لقاء اور سماع کے احتمال کے ساتھ)۔ (اجماع ۱۱۴ تا ۱۲۲)

اپنی دسویں دلیل کے تحت لکھتے ہیں کہ خود صحیح بخاری میں ایسی حدیثیں موجود ہیں جن میں دونوں میں سماع ثابت نہیں :

(۱)۔ خیرکم من تعلم العلم و علّمہ (رقم ۵۰۲۷)

(۲)۔ بئر رومہ کو خرید کر وقف کرنے اور حضرت عثمانؓ کے حصار کی حدیث (رقم ۲۷۷۸)

گیارہویں دلیل میں لکھتے ہیں کہ امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں مکاتبت اور مناولت کے ذریعہ بھی استدلال کیا ہے جبکہ اجازت کے ساتھ ہو، بلکہ وجادت کے ذریعہ بھی احتجاج کیا ہے ۔

بارہویں دلیل میں دعوی کرتے ہیں کہ امام بخاریؒ نے صرف معاصرت پر اکتفاء کیا ہے، ان سے ان کی تصریحات منقول ہیں پھر ان کو نقل کیا ۔

اور لکھتے ہیں کہ علی بن مدینیؒ، امام احمدؒ، یحی بن معینؒ، ابوحاتم رازیؒ، ابوزرعہ رازی، ابوبکر

بزارؒ، ابن خزیمہؒ، ابن حبان اور دار قطنی ، یہ سب حضرات معاصرت پر اکتفاء کے قائل تھے ، پھر اس کی مثالیں پیش کیں ، پھر امام مسلمؒ کے قول کی مختلف طریقہ پر تائید پیش کی .

یہ بہت مختصر خلاصہ ہے شیخ شریف حاتم بن عارف العونی کی کتاب **(اجماع المحدثین علی عدم اشتراط العلم بالسماع فی الحدیث المعنعن بین المتعاصرین)** کا

الاتصال والانقطاع :

اس کے بعد شیخ ابراہیم بن عبداللہ اللاحام کی کتاب **(الاتصال و الانقطاع)** سامنے آئی، اس میں انھوں نے شیخ شریف حاتم العونی سے اختلاف کیا اور ان پر نقد کیا، ایک ایک بحث کو لیکر جواب نہیں دیا بلکہ کچھ اصولی نقد کیا .

لکھتے ہیں کہ امام مسلمؒ کے بعد اس مسئلہ پر جو کچھ لکھا گیا اس میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگ اس مسئلہ میں چار قسموں پر ہیں :

(۱)۔ وہ لوگ ہیں جو مسلم کے خلاف ہیں، جب تک سماع ولقاء ثابت نہ ہو حدیث کو متصل نہیں مانتے ،صرف معاصرت کو کافی نہیں سمجھتے ، یہ لوگ یہ ہیں : ابن الصلاح ،نووی ، ابن رشید ، علائی ، ابن رجب ، ابن حجر وغیرہ .

یہ لوگ کہتے ہیں کہ امام مسلم سے قبل جمہور کا مذہب یہی تھا، ان لوگوں نے مقدمہ صحیح مسلم میں مذکور امام مسلم کے دلائل کا جواب دیا، یہ قسم اقرب الی الصواب ہے .

(۲)۔ دوسری قسم ان علماء کی ہے جو یہ مانتے ہیں کہ صرف معاصرت کی وجہ سے اتصال کا حکم لگانا جمہور کا قول ہے، جیسا کہ امام مسلمؒ فرمارہے ہیں، لیکن مذہب مختار یہ ہے کہ جب تک لقاء ثابت نہ ہو روایت متصل نہیں سمجھی جائیگی .

اس کے قائل ابن القطان فاسی ہیں . (بیان الوھم والایھام ۲۸۷/۳)

امام ذہبی کے طرز سے بھی یہ سمجھا جاسکتا ہے .

(۳)۔ تیسری قسم علماء کی وہ ہے جو امام مسلم کی ہم خیال ہے کہ معاصرت کافی ہے، لقاء اور سماع کے ثبوت کے بغیر روایت متصل مانی جائیگی .

امام مزیؒ بھی ایسے لوگوں میں ہیں. (تہذیب الکمال ۴۳۳/۴) ابن رجب نے اس کو بہت سے علماء متاخرین کا مذہب قرار دیا ہے. (شرح علل الترمذی ۵۸۸/۲)

بہت سے علماء معاصرین نے بھی اسکو اختیار کیا ہے، جیسے عبدالرحمٰن معلّمی اور احمد شاکر [1]

(۴)۔ چوتھی قسم وہ علماء ہیں جو کہتے ہیں کہ امام مسلم نے جو اجماع ذکر کیا ہے، وہ صحیح ہے، تمام محدثین کا یہی مذہب ہے ، مسلم نے جن کی تردید کی ہے وہ محدثین نہیں ہیں ، غیر معروف لوگ ہیں .

اس قسم کے علماء میں بھی آپس میں تھوڑا اختلاف ہے، بعض کہتے ہیں کہ امام مسلم کے یہاں صرف امکانِ لقاء کافی ہے، کسی قرینہ کی ضرورت نہیں، اور دوسرے محدثین اور نقاد قرائن کا بھی لحاظ کرتے ہیں، اور بعض کہتے ہیں کہ امام مسلم اور دوسرے محدثین اس پر متفق ہیں کہ سماع کا علم ضروری نہیں، البتہ قرائن سے سماع یا عدم سماع مانتے ہیں، شیخ حاتم شریف نے اپنے رسالہ **(اجماع المحدثین علی عدم اشتراط العلم بالسماع فی الحدیث المعنعن بین المتعاصرین)** میں اسی کو اختیار کیا ہے.

پہلی قسم اقرب الی الصواب ہے اور یہ آخری بلاشبہہ ابعد من الصواب ہے .

مسلم کے کلام میں قرائن کا کوئی ذکر نہیں، اور جمہور نقاد کا مذہب یہ ہے کہ اتصال کیلئے سماع اور تحدیث کی تصریح ضروری ہے، میں یہاں صرف وہ نصوص ذکر کرتا ہوں جن سے اس کا ثبوت ہوگا اور ان پر جو اعتراض ہوسکتا ہے اسکا جواب ذکر کروں گا، اس مسئلہ پر تفصیلی بحث کی گنجائش نہیں، میں نے اس پر ایک رسالہ لکھا ہے، جس کا نام ہے : **(اشتراط العلم**

---

[1] اس کی تفصیل گزر چکی ہے، دیگر بہت سے علماء کرام کے نام بھی. فضل

بالسماع فی الاسناد المعنعن)،تقریباً تین سو(۳۰۰)صفحات پر آیا ہے،دوستوں کے مشورہ سے اس کی اشاعت اس وقت مناسب نہیں،اس میں سے کچھ باتیں یہاں نقل کرتا ہوں. (الاتصال والانقطاع ۱۰۲)

فی الجملہ ان کی چار قسمیں بنتی ہیں :

(۱)۔ ایسی نصوص اور ایسا کلام جس سے معلوم ہوتا ہے کہ غیر مدلّسین سے بھی محدثین سننے کی تصریح تلاش کرتے ہیں،اگرچہ اس راوی کا مروی عنہ سے سماع ثابت ہے،اس سے ان لوگوں کی تردید ہوجاتی ہے جو یہ کہتے ہیں محدثین سماع صرف مدلسین کے بارے میں تلاش کرتے ہیں،(پھر بہت سی نصوص ایسی ذکر کردیں ص۱۰۳ تا ۱۰۵)

(۲)۔ دوسری قسم میں ایسی نصوص ذکر کیں جن میں سماع یا لقاء کا اثبات ہے،اسلئے کہ اس کی تصریح موجود ہے،یا اس کی نفی ہے،اسلئے کہ تصریح موجود نہیں (ص ۱۰۶ تا ۱۰۸)

(۳)۔ ایسی نصوص جن میں یہ مذکور ہے کہ راوی نے مروی عنہ کو پایا لیکن سنا نہیں،اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ اس کو دیکھا بھی یا اس کے پاس حاضر ہوئے لیکن سنا نہیں (ص ۱۰۸ تا ۱۱۰)

(۴)۔ ایسی نصوص جن میں سماع کی نفی ہے،پانے کا ذکر نہیں،لیکن دونوں کا ترجمہ دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ملاقات ممکن تھی. (ص ۱۱۰ تا ۱۱۱)

اس کے بعد شیخ ابراہیم نے وارد ہونے والے اعتراضات کے جوابات بھی دیئے اور پھر اس مشکل مسئلہ کے آخر میں چار مسائل بیان کئے اور ان کے ذیل میں بہت سی نصوص ائمہ سے پیش کیں (ص ۱۴۱ تا ۱۶۷)

اس دقیق اور مشکل مسئلہ میں ان سب باحثین نے بڑی محنتیں کی ہیں اور مطالعہ میں بڑی مشقتیں اٹھائی ہیں،اور محدثین کرام کی خدمات سے خوب فائدہ اٹھایا ہے،اللہ تعالی ان سب کو جزائے خیر نصیب فرمائے اور کتاب وسنت کی خدمات میں ہم سب کو خلوص عطا فرمائے،

اور دنیا اور آخرت میں کامیابی کا ذریعہ بنائے اور لب ولہجہ میں اعتدال اور انصاف کی توفیق دے. آمین

امام مسلمؒ کے تلامذہ

امام ترمذیؒ نے امام مسلمؒ سے ایک حدیث نقل کی ہے [۱] ان کے علاوہ مسلم کے تلامذہ یہ ہیں :

ابراہیم بن ابی طالب،ابن خزیمہ،سراج،ابن صاعد،ابوعوانہ،ابوحامد بن الشرقی،ابوحامد احمد بن حمدان الاعمشی،ابراہیم بن محمد بن سفیان فقیہ،مکی بن عبدان،عبدالرحمٰن بن ابی حاتم،محمد بن مخلد بن عطار،اور ان کے سوا بہت سے لوگ. (تذکرۃ الحفاظ ۲/۱۲۵)

حافظ نے تہذیب میں یہ نام بھی لکھے ہیں :

احمد بن سلمہ،ابوعمرو،خفاف،حسین بن محمد قبانی،ابوعمرو مستملی،صالح بن محمد حافظ،علی بن حسن ہلالی،محمد بن عبدالوہاب فراء،یہ دونوں مسلم کے استاذ بھی ہیں،علی بن حسین بن جنید،محمد بن عبد بن حمید،عبداللہ بن الشرقی،علی بن اسماعیل صفار،ابراہیم بن محمد بن حمزہ،ابوعوانہ اسفرائنی، محمد بن اسحاق فاکہی کتاب مکہ میں،ابوحامد بن حسنویہ اور دوسرے لوگ. (تہذیب التہذیب ۱۰/۱۱۵)

امام مزیؒ نے پینتیس(۳۵)نام امام مسلم کے تلامذہ میں ذکر کئے ہیں. (تہذیب الکمال ۱۸/ ۶۹)

---

[۱] وہ حدیث **باب فی احصاء هلال شعبان لرمضان** میں **حدثنا مسلم بن حجاج عن ابی هريرةؓ قال قال رسول الله** ﷺ : **احصوا هلال شعبان لرمضان** .(ترمذی ۱/۱۴۸) ہے،یہ غریب حدیث ہے.

حلیہ مبارک اور عمامہ

امام حاکم فرماتے ہیں: آپ لمبے قد کے بہت خوبصورت تھے، سر اور داڑھی کے بال سفید تھے، عمامہ کا کنارہ شانوں کے درمیان لٹکائے رکھتے تھے. (تہذیب التہذیب لابن حجرؒ ۱۰/۱۱۵ وسیر اعلام النبلاء للذہبی ۱۲/۵۶)

اس سے قبل بھی یہ بات گزری کہ جب امام ذہلیؒ نے اعلان کیا کہ جو بخاری جیسا عقیدہ رکھتا ہو اس کو ہماری مجلس میں آنے کی اجازت نہیں تو امام مسلم نے اپنی چادر عمامہ پر رکھی اور سب کے سامنے اٹھ کر مجلس سے چلے گئے. (ہدی ۴۹۱)

ابو عبد الرحمٰن سلمیؒ نے فرمایا: میں نے ایک شیخ کو دیکھا، اچھے کپڑے والے، ان پر چادر تھی اور عمامہ، اس کو دونوں شانوں کے درمیان لٹکایا تھا، کہا گیا کہ یہ امام مسلم ہیں، جو بات حق سمجھتے اس کو صاف صاف کہدیتے، جری تھے، ملامت کرنے والوں کی ملامت سے ڈرتے نہیں تھے، کوئی بات چھپاتے نہیں، کسی کی رعایت نہیں کرتے. (مقدمۂ دیباج ص ۵)

اخلاق وصفات

آپ نے پوری زندگی میں نہ کسی کی غیبت کی نہ کسی کو مارا نہ کسی کو برا بھلا کہا.
(بستان المحدثین اردو ۱۷۸)

اساتذہ کا بہت احترام کرتے تھے، خاص طور سے امام بخاریؒ کا جیسا کہ ان کا قصہ گزرا اور جب امام ذہلی نے اعلان کیا کہ جو بخاری کے طریقہ پر ہے اسکو ہماری مجس میں آنے کی اجازت نہیں تو مسلم اٹھ کر سب کے سامنے چلے گئے اور ظاہر کردیا کہ میں بخاری کے مذہب

پر ہوں، اسلئے امام ذہبی نے لکھا: **کان مسلم بن الحجاج یظهر القول باللفظ و لا یکتمه .** (سیر اعلام النبلاء ۱۲/۵۷۲)

اور ذہلی سے جتنی روایتیں لکھی تھیں سب جمع کر کے بھیج دیں اور ان سے روایت کرنا ترک کردیا، نہ صحیح مسلم میں کوئی روایت لی نہ کسی اور کتاب میں. (البدایہ والنہایہ لابن کثیر ۱۱/۱۰۴)

روایتوں میں بہت احتیاط کرتے ہیں، جس استاذ سے جسطرح روایت سنی ہے اسی طرح روایت کرتے ہیں، ذرا ذرا سا فرق بیان کرتے ہیں، یہ امام مسلمؒ کا کمال ورع وتقوی ہے.

صحیح مسلم کو تیار کرنے کے بعد امام ابو زرعہ رازیؒ کی خدمت میں پیش کیا، فرماتے ہیں: جن روایات پر انھوں نے اعتراض کیا اور کوئی علت بتائی اسکو چھوڑ دیا اور جن حدیثوں کو صحیح بتایا اور یہ کہ اس میں کوئی علت نہیں اس کی میں نے تخریج کی، یہ بات امام نوویؒ نے نیشاپور کے ایک حافظ مکی بن عبدان سے بطور بلاغ نقل کی اور یہ بھی نقل کیا کہ امام مسلمؒ نے فرمایا: اگر محدثین دو سو (۲۰۰) سال تک حدیثیں لکھیں تو اسکا مدار اس مسند یعنی صحیح مسلم پر ہوگا.

خطیب بغدادی نے اپنی سند سے امام مسلمؒ سے نقل کیا کہ میں نے یہ صحیح مسند تین لاکھ سنی ہوئی حدیثوں سے (منتخب کر کے) لکھی ہے. (مقدمہ نووی لشرح مسلم ص ۱۳)

آپ کی شان میں تعریفی کلمات

محدثین کرام نے آپ کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے بہت بلند کلمات ارشاد فرمائے ہیں، ذہبی تذکرۃ الحفاظ میں لکھتے ہیں :

اسحاق بن منصور کوسج نے فرمایا: **لَن نعدم الخير ما أبقاك الله للمسلمين.**

اللہ تعالی جب تک آپ کو مسلمانوں کیلئے باقی رکھیں گے ہم خیر سے محروم نہیں ہوں گے.

امام بخاری اور مسلم کے استاذ اسحاق بن راھویہ نے فرمایا: **أي رجلٍ يكون هذا .**

اللہ تعالی ہی جانتے ہیں یہ کتنا بڑا آدمی ہوگا .

ابوقریش حافظ نے فرمایا: دنیا کے حفاظ چار ہیں، پھران میں سے مسلم کو شمار کیا.

ابوعمرو بن حمدان نے فرمایا: میں نے ابن عقدہ (احمد بن سعید الحافظ) سے پوچھا کہ بخاری بڑے حافظ ہیں یا مسلم؟ فرمایا: بخاری بھی حافظ ہیں مسلم بھی، میں نے کئی بار یہی سوال دہرایا، تو فرمایا: امام بخاریؒ سے شام کے راویوں کے بارے میں غلطی ہوتی ہے، اسلئے کہ انھوں نے انکی کتابوں کو لیا اور ان کا مطالعہ کیا، تو کبھی کسی راوی کو اس کی کنیت کے ساتھ ذکر کرتے ہیں اور پھر دوسری جگہ اس کے نام کے ساتھ، دونوں کو دو سمجھتے ہیں، اور امام مسلم سے علل میں غلطی بہت کم واقع ہوتی ہے اسلئے کہ انھوں نے مسندات (متصل سندوں) کو لکھا، مقطوع اور مرسل روایتوں کو نہیں لکھا .

عبدالرحمٰن بن ابی حاتمؒ نے فرمایا: امام مسلمؒ ثقہ، حفاظ میں سے ہیں، میں نے ان سے رے میں حدیث لکھی، ہمارے والد نے فرمایا کہ سچے تھے .

احمد بن سلمہؒ نے فرمایا: میں نے ابوزرعہ اور ابوحاتم کو دیکھا کہ امام مسلم کو صحیح حدیث کے پہچاننے میں اپنے زمانہ کے مشائخ پر ترجیح دیتے تھے . (تذکرۃ الحفاظ ۱۲۶/۲)

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں :

امام مسلم کے بارے میں ان کے شیخ محمد بن عبدالوہاب فراء نے فرمایا: امام مسلم لوگوں کے علماء میں تھے اور علم کے برتنوں میں سے تھے، میں ان میں خیر کے سوا اور کچھ نہیں جانتا اور کپڑے کے تاجر تھے، ان کے والد حجاج مشائخ میں سے تھے .

ابن الاخرم نے فرمایا: ہمارے اس شہر (نیساپور) نے حدیث کے تین رجال پیدا کئے

۱۔ محمد بن یحیی (ذہلی) ۲۔ ابراہیم بن ابی طالب ۳۔ امام مسلم .

بندار (محمد بن بشار) نے فرمایا: حافظ چار ہیں: ابوزرعہ، محمد بن اسماعیل (بخاری)،

دارمی اور مسلم .

ابوبکر جارود نے فرمایا: ہم سے مسلم بن حجاج نے بیان کیا اور وہ علم کے برتنوں میں سے تھے ، مسلمہ بن قاسم نے فرمایا : ثقہ اور ائمہ میں اونچے مرتبہ والے تھے. (تہذیب التہذیب ۱۱۶/۱۰)

امام ذہبی نے آپ کا تذکرہ ان الفاظ سے شروع کیا: **مسلم بن الحجاج الامام الحافظ حجة الاسلام ابو الحسين القشيري النيسابوري صاحب التصانيف.** (تذکرہ ۱۲۵/۲)

سیر اعلام النبلاء میں یہ الفاظ لکھے : **هو الامام الكبير الحافظ المجوّد الصادق.** (سیر ۵۸۸/۱۲)

امام نوویؒ شرح مسلم کے مقدمہ میں ان الفاظ سے امام مسلمؒ کو یاد کرتے ہیں :

و هو أحد أعلام هذا الشان و كبار المبرزين فيه و أهل الحفظ و الاتقان و الرحّالين فى طلبه الى أئمة الأقطار و البلدان و المعترَف له بالتقدم فيه بلا خلاف عند أهل الحذق و العرفان و المرجوع الى كتابه و المعتمد عليه فى كل الأزمان . (مقدمہ شرح مسلم ص۱۲)

فن حدیث کی ایک عظیم شخصیت، اور جو لوگ اس فن میں ممتاز ہیں، حافظہ اور اتقان والے ہیں، جنھوں نے علم حدیث کی طلب میں ملکوں اور شہروں کے ائمہ کی طرف سفر کیا ان میں سے ایک امام مسلم بھی ہیں، انکا اس فن میں تقدم اور فضیلت اہل علم و معرفت کے یہاں قابل تسلیم ہے اور ہر زمانہ میں انکی کتاب کی طرف رجوع اور اس پر اعتماد کیا جا تا رہا ہے .

امام مسلمؒ کی وفات کا عجیب واقعہ

امام مسلم کی وفات کا واقعہ بہت عجیب وغریب ہے، اس سے ان کے علمی انہماک کا پتہ چلتا ہے، ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ خطیبؒ نے امام مسلمؒ کی وفات کا واقعہ اس طرح ذکر کیا ہے :

امام مسلم کے لئے مذاکرہ کی مجلس قائم کی گئی، اس میں ایک حدیث کے متعلق ان سے پوچھا گیا جو ان کو معلوم نہیں تھی، گھر آئے، چراغ جلایا اور گھر والوں سے فرمایا: کوئی میرے پاس رات کو نہ آئے، ان کو کھجور کی ایک ٹوکری ہدیہ میں دی گئی تھی وہ وہیں ان کے پاس تھی، ایک ایک کھجور کھاتے رہے اور وہ حدیث تلاش کرتے رہے، یہ سلسلہ صبح تک جاری رہا، پوری ٹوکری کھا گئے، پتہ نہیں چلا، اس کی وجہ سے طبیعت میں بوجھ پیدا ہوا اور بیمار ہوگئے تا آنکہ اتوار کی شام کو انتقال ہوگیا، پیر کی صبح کو دفن کئے گئے، یہ رجب کی ۲۵ رتاریخ تھی ۲۶۱ھ، شہر نیشاپور میں انتقال ہوا، پیدائش ۲۰۴ھ میں ہوئی تھی، عمر شریف ۵۷ سال بنتی ہے. (البدایہ والنہایہ ۱۱/۱۰۴)

ذہبی لکھتے ہیں کہ امام مسلم کی وفات ۲۶۱ھ میں ہوئی، وقبرہ یُزار، انکی قبر کی زیارت کی جاتی ہے. (تذکرہ ۲/۱۲۶)

حافظ لکھتے ہیں کہ صبح کو کھجور ختم ہوگئی اور حدیث مطلوب مل گئی، یہ قصہ احمد بن سلمہ امام مسلم کے دوست نے بیان کیا. (تہذیب التہذیب ۱۰/۱۵)

نیشاپور شہر کے باہر نصیر آباد میں دفن کئے گئے. (ابن خلکان ۲/۱۳۶)

اس سے امام مسلم کی انتہائی علمی انہماک کا پتہ چلتا ہے، **رحمه الله تعالى رحمة واسعة و أدخله جنة الفردوس .**

ابو حاتم رازی م ۲۷۷ھ جو کبار محدثین میں سے ہیں، فرماتے ہیں کہ میں نے امام مسلم کو خواب میں دیکھا اور حال دریافت کیا تو انھوں نے جواب دیا کہ اللہ تعالی نے اپنی جنت کو میرے لئے مباح کردیا، جہاں چاہوں رہتا ہوں. (بستان المحدثین اردو ص ۱۷۹)

امام مسلمؒ کا مسلک

کتب ستہ کے مصنفین کے مذاہب کے بارے میں ہم نے ھدیۃ الدراری مقدمۂ صحیح بخاری اور ھدیۃ الاحوذی مقدمۂ جامع ترمذی میں تفصیل سے بحث کی ہے، امام مسلمؒ کے بارے میں علماء کی رائیں یہ ہیں :

علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں: امام مسلم کا مذہب مجھے تحقیق کے ساتھ معلوم نہیں، کیونکہ انکی کتاب کے تراجم انکے نہیں. (فیض الباری ص ۵۸، العرف الشذی ص ۱)

نواب صدیق حسن خاں نے اپنی کتاب (**الحطہ بذکر الصحاح الستة**) اور (**اتحاف النبلاء**) دونوں میں امام مسلم کو شافعی کہا ہے. (لامع الدراری کا مقدمہ لیتھو والا ص ۱۸)

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے امام مسلم کو شافعی تسلیم کیا ہے. (الانصاف فی بیان سبب الاختلاف ص ۵۷)، کشف الظنون میں بھی امام مسلم کو شافعی بتایا ہے. (۱/۵۵۵) الیانع الجنی میں بھی امام مسلم کو شافعی بتایا ہے. (مقدمہ لامع ص ۱۹)

علامہ ابراہیم بن شیخ عبداللطیف بن شیخ محمد ہاشم ٹھٹھویؒ نے اپنی کتاب (**سحقُ الأغبياء من الطاعنين في كمل الأولياء و أتقياء العلماء**) میں فرمایا کہ مسلم اور ترمذی کے بارے میں اگرچہ مشہور ہے کہ شافعی ہیں لیکن اسکا مطلب یہ نہیں ہے کہ ان دونوں نے امام شافعیؒ کی تقلید کی ہے، بلکہ ظاہر یہ ہے کہ یہ دونوں مجتہد استنباط کرنے والے ہیں، انکی

فقہ امام شافعیؒ کی فقہ کے موافق ہوگئی ہے. (مقدمہٴ لامع ۱۸، ماتمس الی الحاجہ ص ۲۵ و۲۶)

حافظ ابن حجرؒ نے تقریب میں اشارہ کیا کہ امام مسلم مجتہد ہیں، اسلئے کہ فرمایا: ثقہ امام ہیں، ایسے ہی جامع الاصول میں بھی. (مقدمہٴ لامع ص ۱۸)

مولانا محمد عبدالرشید نعمانیؒ نے فرمایا : نہ مقلد ہیں نہ مجتہد، بلکہ اپنے ائمہ کے اقوال کی طرف میلان رکھتے تھے، اگر یہ مستقل مجتہد ہوتے تو ان کے اقوال بھی دیگر ائمہ کی طرح کتابوں میں منقول ہوتے لیکن ایسا نظر نہیں آتا. (ماتمس الیہ الحاجہ ص ۲۷)

علامہ ابن تیمیہؒ نے امام مسلم کو ترمذی، نسائی، ابن ماجہ وغیرہم کی طرح اہل حدیث کے مذہب پر مانا ہے، کسی کے مقلد نہیں ہیں نہ خود مجتہد ہیں، بلکہ ائمہٴ حدیث شافعیؒ، احمد، اسحاق، ابوعبید وغیرہم کے اقوال کی طرف مائل تھے، یہ لوگ اہلِ عراق کے مذہب کے مقابلہ میں اہل حجاز کے مذہب کی طرف زیادہ مائل تھے. (مقدمہٴ لامع ص ۱۹)

شیخ ابن القیم نے اعلام الموقعین میں امام بخاری اور ابوداود کی طرح امام مسلم کو بھی حنبلی مذہب کی طرف منسوب کیا ہے اور فرمایا ہے کہ امام احمد کے اصحاب کا یہ طبقہ امام احمد کا ان سے زیادہ اتباع کرتا ہے جو محض مقلد ہیں اور اپنی نسبت امام احمد کی طرف کرتے ہیں اسلئے ان کو ابن ابی یعلی نے طبقات حنابلہ میں ذکر کیا ہے. (مقدمہٴ لامع ص ۱۸)

اتحاف الاکابر میں اس کا اشارہ ہے کہ امام مسلم مالکی ہیں. (مقدمہ لامع ۱۸)

شیخ مولانا محمد زکریاؒ نے امام بخاریؒ اور امام ابوداود کے علاوہ مصنفینِ کتبِ حدیث کو مجتہدین فی المذہب کے درجہ میں رکھا ہے، جیسے امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ فقہاء حنفیہ میں کہ فروع میں یہ لوگ اپنے امام کی مخالفت کرتے ہیں، اسی لئے علما کرام نے ان محدثین کے مذاہب کے بیان کرنے میں اختلاف کیا ہے، کبھی کسی کو شافعی کہتے ہیں اور کبھی حنبلی، بعض ائمہ کے ساتھ بعض فروعی مسائل میں موافق دیکھتے ہیں تو ان کی طرف منسوب کردیتے ہیں.

(مقدمہٴ لامع ص ۱۹)

مجتہد فی المذہب اصطلاح فقہاء میں اس کو کہتے ہیں جو کسی امام مجتہد مطلق مستقل کی اصول میں تقلید کرتا ہو لیکن فروع میں نہیں، جب کسی محدث کو مجتہد فی المذہب کہا جائے گا تو بتانا ہوگا کہ کس امام مجتہد کے اصول کا وہ پابند ہے، ان محدثین کے بارے میں یہ معلوم نہیں، تو شاید حضرت شیخؒ کا مقصد یہ ہے کہ یہ محدثین مقلد اور مجتہد مطلق کے بین بین ہیں کہ احادیث سے خود مسائل نکالتے ہیں اور اس میں کبھی کسی امام مجتہد کے ساتھ موافق ہوجاتے ہیں اور کبھی کسی دوسرے امام مجتہد کے ساتھ.

علامہ ابن تیمیہؒ اور مولانا محمد عبدالرشید نعمانیؒ کے اقوال بھی اسی طرح کے ہیں، ہمارے خیال میں یہی قول سب سے زیادہ صحیح اور مناسب ہے. واللہ تعالی اعلم

علامہ کشمیریؒ درس ترمذی میں یہ فرما گئے کہ سلف کی تقلید ہماری تقلید کی طرح نہیں تھی، ان کی تقلید ان اجتہادیات میں تھی جن میں مرفوع، موقوف احادیث نہ ہوں.

العرف الشذی میں یہ عبارت ہے: **الا أن تقليد السلف كان في الاجتهاديات التي لم يثبت فيها المرفوع و الموقوف لا كتقليدنا ، هذا ظني .** (ترمذی مع العرف الشذی ۱/۲۶)

علامہ ابراہیم ٹھٹھویؒ اور حافظ ابن حجرؒ کے اقوال کا مطلب بھی یہی ہوگا کہ یہ لوگ خود اجتہاد کرتے ہیں، احادیث سے مسائل نکالتے ہیں، احادیث کے درمیان ترجیح یا تطبیق کا راستہ خود متعین کرتے ہیں، امام مسلمؒ نے اگرچہ تراجم ابواب خود قائم نہیں کئے ہیں لیکن احادیث کو ایسی ترتیب سے ذکر کیا ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ تراجم ابواب اور مسائل کا استنباط ان کے پیش نظر اور مقصود تھا.

تنبیہ : امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کو مجتہد فی المذہب کہنا ایک زمانہ سے مشہور ہے، احمد بن

کمال پاشا متوفی ۹۴۰ھ نے اسکو ذکر کیا تھا، اسکے بعد سے فقہاء اسکو نقل کرتے ہیں آرہے ہیں، انھوں نے فقہاء کے سات طبقات بتائے ہیں نمبر ۲ مجتہدین فی المذہب کا طبقہ بتایا ہے اور اس میں صاحبین کا نام لیا ہے، علامہ شامیؒ نے اس کو ذکر کیا ہے. (ردالمحتار ۵۳)

علامہ کوثریؒ نے حسن التقاضی کے حاشیہ میں اس کو نقل کردیا ہے.

لیکن یہ بات صحیح نہیں معلوم ہوتی، اسلئے کہ صاحبینؒ اصول میں بھی امام اعظمؒ سے اختلاف کرتے ہیں جیسا کہ اصول فقہ کی کتابوں سے ظاہر ہے، اس مسئلہ پر علامہ کوثریؒ نے حسن التقاضی فی سیرۃ الامام ابی یوسف القاضی میں اور مولانا عبدالحئ فرنگی محلیؒ نے النافع الکبیر لمن یطالع الجامع الصغیر للامام محمدؒ میں اور شہاب الدین مرجانیؒ نے ناظورۃ الحق میں بحث کی ہے اور بتایا ہے کہ ابن کمال پاشا کی یہ بات صحیح نہیں ہے، صحیح بات یہ ہے کہ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ مجتہد مطلق ہیں، اصول وفروع دونوں میں مستقل ہیں، البتہ اپنے استاذ امام اعظمؒ کی طرف ان کے اجلال وتعظیم کی وجہ سے اپنی نسبت کرتے ہیں، مجتہد مطلق منتسب ہیں، اس کے لئے مذکورہ بالا کتب کی طرف مراجعت کی جائے.

امام مسلمؒ کی تصنیفات

امام مسلمؒ کی صحیح مسلم کے علاوہ بھی بہت سی تصنیفات ہیں جن میں بعض مفقود ہیں اور بعض موجود.

(۱)۔ صحیح مسلم : جس کا پورا نام یہ ہے: **المسند الصحیح المختصر من السنن بنقل العدل عن العدل عن رسول اللہ ﷺ**. (تحقیق اسمی الصحیحین و اسم جامع الترمذی للشیخ عبد الفتاح أبو غدہ ص ۳۳)

(۲)۔ **المسند الکبیر علی الرجال** : ذہبیؒ فرماتے ہیں: میں نہیں سمجھتا کہ ان سے اس کو کسی نے سنا.

(۳)۔ **کتاب الجامع علی الأبواب** : ذہبی فرماتے ہیں: میں نے اسکا بعض حصہ دیکھا ہے.

(۴)۔ کتاب الأسماء و الکنی
(۵)۔ کتاب التمییز
(۶)۔ کتاب العلل
(۷)۔ کتاب الوحدان
(۸)۔ کتاب الاقرار
(۹)۔ کتاب الأقران
(۱۰)۔ امام احمدؒ سے سوالات کی کتاب
(۱۱)۔ عمرو بن شعیب کی حدیث کی کتاب
(۱۲)۔ کتاب الانتفاع بأهب السباع
(۱۳)۔ کتاب مشایخ مالک
(۱۴)۔ کتاب مشایخ الثوری
(۱۵)۔ کتاب مشایخ شعبه
(۱۶)۔ کتاب من لیس له الا راو واحد
(۱۷)۔ کتاب المخضرمین
(۱۸)۔ کتاب أولاد الصحابة
(۱۹)۔ کتاب أوهام المحدثین
(۲۰)۔ کتاب الطبقات
(۲۱)۔ کتاب أفراد الشامیین

(تذکرۃ الحفاظ ۱۲۶/۲)

(۲۲)۔ کتاب رواۃ الاعتبار (مقدمہ فتح الملهم ۲۸۰ طبع کراچی)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام مسلمؒ کو فن حدیث میں خاص طور سے راویوں کی تفصیلات جاننے میں خاص ملکہ حاصل تھا.

(صحیح مسلم)

المسند الصحیح المختصر بنقل العدل عن العدل عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

تالیف کا محرک : امام مسلم کی تصنیف صحیح مسلم نے ان کو دنیا میں مشہور کیا ہے، صحت کے لحاظ سے جمہور کے نزدیک یہ بخاری کے بعد فوراً ہے، صحیح بخاری کے بعد دنیا کی سب سے زیادہ صحیح کتاب ہے، اور صحیح بخاری کے ساتھ اسکا ذکر آتا ہے، بولا جاتا ہے شیخین کی صحیحین، سب سے پہلے صرف صحیح حدیثوں کو جمع کرنے کیلئے امام بخاری نے الجامع الصحیح لکھی، اس کے بعد امام مسلمؒ نے اپنی کتاب المسند الصحیح جمع کی، امام مسلم امام بخاری کے شاگرد ہیں، ان سے استفادہ کیا ہے، اور اکثر اساتذہ میں دونوں شریک رہے ہیں، اور ان دونوں کی کتابیں حدیث کی کتابوں میں سب سے زیادہ صحیح ہیں ۔ (مقدمہ فتح الملہم ٢٦١)

اور مقدمۂ صحیح مسلم کی ابتداء سے معلوم ہوتا ہے کہ امام مسلم کے کسی شاگرد نے ان سے ایسی کتاب لکھنے کی فرمائش کی تھی [1] ان کی درخواست پر یہ کتاب امام مسلمؒ نے تیار کی، اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں غیر معتبر روایات مشہور کی جارہی تھیں، لوگوں کو ان غیر معتبر روایات سے بچانا بھی امام مسلم کے پیشِ نظر تھا، تاہم تمام صحیح حدیثوں کا استیعاب بھی مقصود نہیں تھا۔

مقصدِ تالیف : علامہ کوثریؒ متوفی ١٣٧١ھ نے شروط الائمۃ الخمسہ للحازمیؒ کے حاشیہ میں

---

[1] وہ احمد بن سلمہ ہیں ایک قول میں، انکے تذکرہ میں خطیب نے لکھا : ثم جمع له مسلم الصحیح فی کتابه . (تاریخ بغداد ١٨٦/٤)

صحاح خمسہ (بخاری، مسلم، ابوداود، ترمذی، نسائی) کے مقاصد واغراض پر گفتگو فرمائی ہے، لکھتے ہیں :

امام بخاری کی غرض احادیثِ صحیحہ متصلہ کی تخریج اور فقہ وسیرت وتفسیر کا استنباط تھا، اسلئے موقوف، معلق، اور صحابہ وتابعین کے فتاوی اور لوگوں کی آراء کو عرضاً پیش کیا ہے، اسلئے احادیث کے متون اوران کے طرق ان کی کتاب کے ابواب میں منتشر ہوگئے ہیں، اور امام مسلم کا مقصد صرف صحیح حدیثوں کو ذکر کرنا ہے استنباط مقصود نہیں، اسلئے ہر حدیث کے طرق کو ایک جگہ جمع کردیا ہے، تاکہ متون کا اختلاف اور سندوں کا تعدد ظاہر ہوجائے، یہی وجہ ہے کہ احادیث کے متون انکے یہاں منتشر نہیں ہوئے، اسلئے احادیث منقطعہ وغیرہ انکی صحیح میں شاذ ونادر ہیں۔ (شروط الائمۃ الخمسہ للحازمی مطبوعہ مع ابن ماجہ قدیمی کتب خانہ کراچی ص٨٢)

مولانا محمد یوسف بنوریؒ لکھتے ہیں :

امام مسلم کا اہم مقصد احادیث صحیحہ کے سیاقات کو جمع کرنا، ان میں محدثین کے علوم، اعتبار، متابعت اور شاہد کی رعایت رکھنا اور ان سب کو ایک محل میں ذکر کرنا تھا، تاکہ حدیث کے تمام طرق اور الفاظ بیک نظر قاری کے سامنے آجائیں، چونکہ امام مسلم کا مقصد تالیف امام بخاری کے مقصد سے مختلف ہے اسلئے تفاضل بے محل ہے، البتہ اگر مقصد ایک ہوتا تو ترجیح و تفاضل کا امکان تھا، مثلا ایک شخص جبہ تیار کرتا ہے اور دوسرا قمیص بناتا ہے تو یہاں یہ کہنا صحیح نہیں ہوگا کہ فلاں کی سلائی فلاں سے عمدہ ہے، پس امام بخاری کی کتاب ایک بلند پایہ مجتہد وفقیہ کا منتہاء مقصود ہے اور امام مسلم کی کتاب ایک محدث کے مقاصد کا نقطۂ عروج ہے۔

(عوارف المنن مقدمہ معارف السنن اردو ص٢٣٧)

زمانۂ تالیف : شیخ عبدالفتاحؒ لکھتے ہیں: امام مسلم ٢٠٤ھ میں اور زیادہ راجح یہ ہے کہ ٢٠٦ھ میں پیدا ہوئے، ١٨ سال کی عمر سے حدیث کا سماع شروع کیا اور ٢٦١ھ میں انتقال ہوا

اور یہ کتاب اپنے ساتھی احمد بن سلمہ کی طلب پر لکھی، احمد بن سلمہ ۱۵ سال اس کتاب کی تالیف میں ساتھ رہے، ۲۸۶ھ میں انکا انتقال ہوا، امام مسلمؒ اس کتاب کی تصنیف سے ۲۵۰ھ میں فارغ ہوئے، اس سے معلوم ہوا کہ مسلم نے اس کتاب کی تصنیف ۲۳۵ھ سے شروع کی جب کہ انکی عمر شریف ۲۹ سال کی تھی اور کام ختم ہوا جب کہ عمر شریف ۴۴ سال کی تھی، اس کے بعد گیارہ (۱۱) سال زندہ رہے، اور مسلم نے مقدمہ' کتاب لکھنے سے پہلے لکھا جیسا کہ مقدمہ کی بعض عبارات سے صاف معلوم ہوتا ہے، تو معلوم ہوا کہ امام بخاریؒ جب ۲۵۰ھ میں نیشاپور پہونچے تو اما مسلم اپنی کتاب اور مقدمہ کی تصنیف سے فارغ ہو چکے تھے.

(الموقظہ للذہبی پر شیخ عبدالفتاح کا حاشیہ ۱۴۰)

امام نوویؒ مقدمۂ صحیح مسلم میں امام مسلم کے شاگرد اور صحیح مسلم کے راوی ابو اسحاق ابراہیم کے بارے میں لکھتے ہیں کہ فقیہ زاہد مجتہد عابد تھے، نیشاپور کے تھے، مستجاب الدعوات تھے، مسلم کے ملازم شاگرد تھے، ایوب بن حسن زاہد صاحب الرائے حنفی کے اصحاب میں سے تھے وہ کہتے ہیں کہ امام مسلم اس کتاب کی قراءت سے رمضان ۲۵۷ھ میں فارغ ہوئے، ابراہیم کا انتقال ۳۰۸ھ میں ہوا. (مقدمۂ مسلم للنوویؒ ص ۱۲)

اس عبارت سے بعض لوگوں نے یہ سمجھا کہ امام مسلم نے اپنی صحیح ان ابو اسحاق ابراہیم کیلئے لکھی اور یہ بھی کہ امام مسلم اس کی تصنیف سے ۲۵۷ھ میں فارغ ہوئے، لیکن یہ سمجھنا درست نہیں معلوم ہوتا، یہ فراغت قراءت سے ہے نہ کہ تصنیف سے. (دیکھئے عبدالفتاح کا حاشیہ الموقظہ پر ۱۳۹) ۱

---

۱ یحیی بن محمد سوس نے ذکر کیا کہ مکتبۂ ازہر کے ایک مخطوطہ نسخہ کے حاشیہ پر جو ۱۲۰۲ھ میں لکھا گیا ہے یہ لکھا ہوا ہے کہ ظاہر ہے کہ درخواست کرنے والے ابراہیم بن سفیان صحیح مسلم کے امام مسلم سے روایت کرنے والے ہیں. (نسخۂ صحیح مسلم مطبوعہ دار ابن رجب ص ۲۰)

صحیح مسلم کی قبولیت

حافظ ابن حجر تہذیب التہذیب میں لکھتے ہیں:

امام مسلم کو اس کتاب میں ایسی مقبولیت نصیب ہوئی کہ کسی اور کو ایسی مقبولیت نہیں ملی، حتی کہ بعض لوگ اس کو بخاری پر فضیلت دیتے تھے، اسلئے کہ مسلم کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ تمام طرق بہت اچھے طریقہ پر جمع کرتے ہیں، الفاظ کو بالکل ٹھیک ٹھیک ادا کرتے ہیں، وہ روایت ٹکڑے ٹکڑے نہیں کرتے اور روایت بالمعنی بھی نہیں کرتے.

نیشاپور کے کئی محدثین نے ان کے طریقہ پر کتابیں جمع کیں لیکن ان کے درجہ کو نہیں پہونچ سکے، مجھے دس سے زیادہ لوگ معلوم ہیں جنھوں نے مسلم پر مستخرج لکھی لیکن اللہ تعالی کی ذات پاک ہے وہ جس کو چاہے قبولیت عطا کرے. (تہذیب التہذیب ۱۰/۱۱۵)

صحیح مسلم کی صحت: صحیح مسلم کی سب حدیثیں ان کے یہاں صحیح ہیں، حافظ ذہبی، ابن الشرقی سے نقل کرتے ہیں کہ امام مسلم نے فرمایا: میں نے اپنی اس مسند کتاب میں کوئی حدیث نہیں رکھی مگر دلیل کے ساتھ اور کسی حدیث کو نہیں نکالا مگر دلیل کے ساتھ.

امام مسلم نے یہ بھی فرمایا: میں نے یہ صحیح' تین لاکھ سنی ہوئی حدیثوں میں سے (منتخب کر کے) تیار کی ہے، احمد بن سلمہ فرماتے ہیں کہ میں امام مسلم کے ساتھ ان کی صحیح کی تالیف میں پندرہ سال شریک رہا، یہ کل بارہ ہزار حدیثیں ہیں.

حافظ ابو علی نیشاپوری نے فرمایا: آسمان کے نیچے مسلم کی کتاب سے زیادہ صحیح کوئی کتاب نہیں، ذہبی فرماتے ہیں: شاید ابو علی کو صحیح بخاری نہیں پہونچی. (تذکرۃ الحفاظ ۲/۱۲۶)

مکی بن عبدان فرماتے ہیں کہ امام مسلمؒ نے کتاب کو مکمل کرنے کے بعد حافظ ابو زرعہؒ کی خدمت میں پیش کیا، انھوں نے جس روایت کے بارے میں کسی علت کی طرف اشارہ کیا اسے کتاب سے خارج کردیا اور جن حدیثوں کے بارے میں فرمایا کہ صحیح ہے اور کوئی علت نہیں اس کی تخریج کی. (سیر اعلام النبلاء ۱۲/۵۶۶ اور مقدمۂ نووی ص ۱۳)

اور یہ بھی فرمایا: اگر محدثین دوسو(۲۰۰) سال تک حدیثیں لکھیں تو اسکا مدار اسی مسند یعنی صحیح مسلم پر ہوگا۔ (مقدمہ نووی ص۱۴)

امام مسلمؒ نے اپنی صحیح میں باب التشہد میں ص ۱/۱۷۴ ابوموسیٰ اشعریؓ کی حدیث سند کے ساتھ ذکر فرمائی اور اس میں سلیمان تیمی سے **اذا قرأ فأنصتوا** کی زیادتی ذکر فرمائی، مسلم کے شاگرد ابواسحاق ابراہیم بن محمد نیشاپوری فرماتے ہیں کہ اس زیادتی پر ابوبکر بن اخت ابی النضر نے اعتراض کیا تو امام مسلمؒ نے فرمایا: **ترید أحفظ من سليمان ؟** تم سلیمان تیمی سے بڑا حافظ چاہتے ہو؟ یعنی یہ بڑے حافظ ہیں انکی زیادتی قابلِ قبول ہے، پھر ابوبکر نے پوچھا: تو ابو ہریرۃ کی حدیث؟ یعنی اس میں بھی یہ زیادتی ہے، کیا وہ بھی صحیح ہے؟ فرمایا: میرے نزدیک صحیح ہے، پوچھا: تو کیوں نہیں اسکو یہاں ذکر کیا؟ امام مسلمؒ نے فرمایا: ہر صحیح حدیث میں نے یہاں اس صحیح میں نہیں رکھی ہے، صرف وہ حدیث ذکر کی ہے جس پر لوگوں نے اجماع کیا ہے۔ (مسلم ۱/۱۷۴)

اجماع سے کس کا اجماع مراد ہے ؟

صحیح مسلم میں ایسی متعدد احادیث موجود ہیں جن کی صحت میں اختلاف ہے ، **اذا قرأ فأنصتوا** کی زیادتی کو بہت سے لوگ صحیح نہیں مانتے، اسی طرح عبادہ بن ثابت کی حدیث میں فصاعدا کی زیادتی کو بھی سب لوگ صحیح نہیں مانتے، پھر سوال ہوتا ہے کہ **انما وضعت ها هنا ما أجمعوا عليه** سے کن لوگوں کا اجماع مراد ہے ؟

(۱)۔ علامہ ابوعمرو ابن الصلاحؒ نے فرمایا: اس کا مطلب یہ ہے کہ میں نے اس کتاب میں صرف وہی حدیثیں ذکر کی ہیں جن میں میرے خیال میں صحیح مجمع علیہ حدیث کی سب شرطیں پائی جاتی ہیں، اگرچہ ان میں سے بعض میں سب شرطوں کا جمع ہونا نہیں ظاہر ہوا۔

(مقدمۂ ابن الصلاح ص۲۰ بتعلیق نورالدین عتر)

(۲)۔ دوسرا جواب امام نوویؒ نے شیخ ابن الصلاح کے حوالہ سے یہ نقل کیا (مقدمہ ابن الصلاح میں ہم کو نہیں ملا) کہ امام مسلمؒ نے اس صحیح میں ایسی حدیث نہیں ذکر کی ہے جس کے متن یا اسناد میں ثقہ لوگوں کا نفس حدیث میں اختلاف ہو، یہ مطلب نہیں ہے کہ بعض راویوں کے بارے میں بھی اختلاف نہ ہو، (یعنی یہ ہوسکتا ہے کہ کسی راوی میں اختلاف ہو لیکن سند و متن صحیح ہوں گے).

امام مسلمؒ کے کلام سے یہی ظاہر ہے، کیونکہ حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث میں **و اذا قرأ فأنصتوا** کے بارے میں پوچھا گیا کہ یہ زیادتی صحیح ہے؟ تو فرمایا کہ جی صحیح ہے؟، پوچھا گیا کہ اس کو کیوں نہیں آپ نے ذکر کیا تو اس پر یہ جواب دیا جو ذکر ہوا.

اس کے باوجود ان کی اس کتاب میں ایسی احادیث موجود ہیں جن کی سند یا متن میں لوگوں کا اختلاف ہے مگر مسلم کے نزدیک وہ صحیح ہیں، ان میں امام مسلمؒ سے ذہول ہوا ہوگا اس شرط کے بارے میں یا کوئی اور بات ہوگی، میں نے اس پر استدراک کیا ہے اور علت بیان کردی ہے، یہاں تک شیخ ابن الصلاح کی بات تھی. (مقدمۂ نوویؒ ص۱۴)

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ مقدمۂ فتح الملہم میں مذکورہ بالا کلام نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

(۳)۔ بعض لوگوں نے کہا کہ امام مسلم نے (**ما أجمعوا عليه**) سے چار ائمہ حدیث کو مراد لیا ہے: احمد بن حنبل، ابن معین، عثمان بن ابی شیبہ، اور سعید بن منصور خراسانی .

(مقدمۂ فتح الملہم ۱۵۴ طبع جدید دار العلوم کراچی)

اور فتح الملہم میں یہ فرمایا:

سیوطی نے دیباج میں لکھا: (**ما اجمعوا**) سے مسلم کی مراد۔ باوجودیکہ صحیح مسلم میں بہت سی ایسی حدیثیں ہیں جن کی صحت میں اختلاف ہے۔ یہ ہے کہ جس میں میرے نزدیک صحیح

مجمع علیہ کی شرطیں پائی جاتی ہیں، اگرچہ بعض میں بعض لوگوں کے نزدیک انکا اجتماع ظاہر نہیں ہوا، یا یہ مطلب ہے کہ نفس حدیث میں متن وسند کے لحاظ سے اختلاف نہیں، اگرچہ اس میں ایسی احادیث ہیں جن کی سند ومتن میں اختلاف ہے، ان کی تخریج اسلئے کردی کہ شرط سے غفلت ہوگئی یا کسی اور سبب سے. (سیوطی کی بات ختم ہوئی)

کسی اور نے کہا کہ اس سے مراد چار حفاظ حدیث کا اجماع ہے اور وہ چار یہ ہیں: یحی بن معین، احمد بن حنبل، ابوزرعہ رازی، ابوحاتم رازی، اسکی وضاحت اس شرح کے مقدمہ میں گزرچکی ہے، وللہ الحمد. (فتح الملہم طبع جدید ۴۲۸/۳)

علامہ کے کلام میں چار کی تعیین میں اختلاف ہوگیا.

امام سیوطیؒ نے تدریب الراوی میں لکھا: بلقینی نے فرمایا مسلم کی مراد چار محدثین کا اجماع ہے: احمد بن حنبل، ابن معین، عثمان بن ابی شیبہ اور سعید بن منصور خراسانیؒ.

(تدریب الراوی ۹۸/۱)

علامہ عثمانیؒ کے پہلے کلام میں بعض لوگوں سے مراد بلقینی ہوں گے، دوسرے میں معلوم نہیں کون ہیں، بہرحال مجموعہ چھ (۶) کا ہوگیا، ہوسکتا ہے کہ ان چھ (۶) کا اجماع مراد ہو، لیکن سوال ہوتا ہے کہ مسلم کی یہ مراد کیسے معلوم ہوئی؟ پہلے دونوں جوابات بھی احتمالات ہیں، امام نوویؒ نے دوسرے جواب کی ترجیح کی طرف اشارہ کیا کما مر.

و اذا قرأ فأنصتوا کی زیادتی امام مسلم کے یہاں صحیح ہے لیکن کئی محدثین اس کو صحیح نہیں مانتے، ان میں ابوحاتم رازی بھی ہیں جیسا کہ نوویؒ نے شرح میں ذکر کیا ۱۷۵/۱، اسلئے ابوحاتم کا اتفاق مراد لینے میں اشکال ہوگا. واللہ اعلم

صحیح مسلم جامع ہے یا نہیں؟

جامع کی تعریف شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے یہ کی ہے:

محدثین کے نزدیک جامع وہ کتاب ہے جس میں حدیث کی سب قسمیں پائی جائیں یعنی ۱۔عقائد کی حدیثیں ۲۔احکام کی ۳۔رقاق کی ۴۔کھانے پینے، سفر، اٹھنے اور بیٹھنے کے آداب کی حدیثیں ۵۔تفسیر سے متعلق حدیثیں ۶۔تاریخ وسیر کی حدیثیں ۷۔فتن کی حدیثیں اور ۸۔مناقب ومثالب کی حدیثیں.

علماء حدیث نے ان آٹھ فنون میں سے ہر فن میں الگ الگ کتابیں لکھی ہیں.

(عجالۂ نافعہ فارسی ص۱۴ اور اردو ص۴۷)

علامہ کشمیریؒ نے ان آٹھ فنون کو شعر میں اس طرح جمع کیا: (معارف السنن ۱۸/۱)

سیر وآداب، تفسیر وعقائد   رقاق واحکام، اشراط ومناقب

اس شعر میں فتن کا ذکر نہیں آیا، اشراط کا آیا، شاید اشراط سے مراد یہی فتن ہو. واللہ اعلم

حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ نے ان آٹھوں فنون کی وضاحت کی اور فرمایا: جامع وہ کتاب ہے جس میں ہر فن کا نمونہ ہو، جیسے جامع بخاری، جامع ترمذی، صحیح مسلم میں اگرچہ ان فنون کی احادیث ہیں لیکن تفسیر وقراءت سے متعلق احادیث نہیں ہیں اسلئے اس کو جامع نہیں کہیں گے. (عجالۂ نافعہ فارسی ص ۱۵ اردو ص ۴۹)

شاہ صاحب کی اس بات پر دو اعتراضات وارد ہوتے ہیں: ایک تو یہ کہ جامع کی یہ تعریف شاہ صاحب نے کہاں سے لی؟ دوسرے یہ کہ صحیح مسلم میں تفسیر سے متعلق روایتیں موجود ہیں اگرچہ کم ہیں، آخر کتاب میں کتاب التفسیر میں اٹھارہ (۱۸) روایتیں ہیں، لیکن دوسری جگہوں پر باسٹھ (۶۲) حدیثیں ہیں جو صحیح بخاری کی کتاب التفسیر میں مذکور ہیں،

اس طرح صحیح مسلم میں تفسیر کی حدیثیں بہت کم نہیں ہیں.

نیز جامع سفیان ثوری اور جامع ابن عیینہ میں بھی تفسیر کی حدیثیں کم ہیں پھر بھی ان پر جامع کا لفظ بولا جاتا ہے، اسلئے صحیح مسلم کا جامع ہونا ہی صحیح ہے. (دیکھئے تکملہ فتح الملہم مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ ۵۳۵/۶)

مولانا محمد عبدالحلیم چشتی مدظلہ نے عجالۂ نافعہ کے حاشیہ فوائد جامعہ میں لکھا :

واضح رہے کہ شاہ عبدالعزیز نے جامع کی جو تعریف لکھی ہے وہ غالباً ان کی اپنی تعریف ہے یا اپنے اساتذہ سے سن کر نقل کی ہے، کیونکہ جامع کا لفظ اس معنی میں قدماء کے یہاں نہیں بولا جاتا تھا، متاخرین ائمۂ فن کی کتابوں میں اس قسم کی بحثیں نہیں ملتی ہیں، تدریب الراوی للسیوطیؒ، فتح المغیث للسخاویؒ، توضیح الافکار امیر یمانی بھی اس قسم کی بحثوں سے یکسر خالی ہیں، اس کے برعکس متقدمین کے یہاں سنن اور مصنَّف دونوں پر جامع کا لفظ بولا گیا ہے، مؤطا مالک کو جامع کہا گیا، سفیان ثوری کی کتاب کو بھی ابوداود نے جامع کہا، ترمذی کو جامع اور سنن دونوں کہتے ہیں، مصنف عبدالرزاق اور ابن ابی شیبہ کو بھی جامع کہا گیا.

شیخ محمود محمد خطاب سبکی نے کتاب المنھل العذب المورود شرح سنن ابوداود میں جامع کی تعریف یہ کی ہے : حدیث کی وہ کتاب جو ابواب فقہ پر مرتب ہو یا اوائل ترجمہ میں حروف کی ترتیب پر، جیسے کتاب الایمان، کتاب البر والتوبہ والثواب، جیسا کہ صاحب جامع الاصول نے کیا یا اوائل حدیث میں حروف کی ترتیب پر، جیسا کہ سیوطیؒ نے جامع صغیر میں کیا.

شاہ صاحب نے صحیح مسلم کو جامع نہیں مانا، جبکہ شیخ مجدُ الدین فیروز آبادیؒ نے دمشق میں تین دن میں صحیح مسلم ختم کی اس پر چند اشعار کہے، ان میں صحیح مسلم کو جامع کہا :

قرأت بحمد الله جامعَ مسلم — بجوف دمشق الشام جوف الاسلام
علی ناصرالدین الامام بن جهبل — بحضرة حفاظ مشاهير أعلام

وتمّ بتوفيق الالٰه و فضلِه — قراءةَ ضبط فی ثلثة أيام

حاجی خلیفہ، ملاعلی قاری، نواب صدیق حسن خاں نے بھی صحیح مسلم کو جامع کہا.

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ شارح مسلم نے بھی شاہ عبدالعزیزؒ سے اختلاف کیا اور صحیح مسلم کو جامع کہا اور فرمایا کہ صحیح مسلم میں تفسیر کی احادیث اسلئے کم ہیں کہ تفسیر کی احادیث امام مسلم کی شرط کے مطابق کم ہیں، امام بخاریؒ نے تکرار کے ساتھ حدیثوں کو ذکر کیا، مسلم تکرار سے پرہیز کرتے ہیں، اور بخاری میں آثار واقوال بھی بہت آئے ہیں اور امام مسلم آثار واقوال سے پرہیز کرتے ہیں. (فوائد جامعہ ملخصا ۱۶۵ تا ۱۵۸) [۱]

تعداد روایات صحیح مسلم :

یہ بات گزر چکی ہے کہ امام مسلمؒ نے فرمایا: میں نے یہ صحیح تین لاکھ سنی ہوئی حدیثوں سے منتخب کر کے تیار کی ہے، احمد بن سلمہ فرماتے ہیں کہ میں امام مسلم کے ساتھ ان کی صحیح کی تالیف میں پندرہ (۱۵) سال شریک تھا، یہ کل بارہ (۱۲) ہزار حدیثیں ہیں. (تذکرۃ الحفاظ ۱۲۶/۲)

امام نووی تقریب میں لکھتے ہیں کہ مکررات کو ساقط کر کے کل حدیثیں مسلم میں تقریباً چار ہزار ہیں، میانجی نے فرمایا کہ آٹھ ہزار ہیں. (تدریب مع تقریب ۱۰۴/۱)

حافظ نے فرمایا: مجھ کو اس میں نظر ہے. (النکت ۲۹۶/۱)

یہی بات نووی نے شرح مسلم کے مقدمہ میں ابن الصلاح کے ذریعہ سے ابوقریش محمد ابن جمعہ بن خلف سے نقل کیا ہے کہ امام مسلم نے چار ہزار حدیثیں جمع کی ہیں، ابن الصلاح

---

[۱] حافظ ابن حجرؒ نے تہذیب میں کئی جگہ مسلم کو جامع کہا : ۱۳۳/۷، ۲۶۴/۷، ۱۱۴/۱۰، کتانی نے بھی الرسالۃ المستطرفہ میں ص ۴۳، حاجی خلیفہ نے بھی کشف الظنون ۵۵۵/۱ میں، صحیح مسلم کے مختلف متعدد نسخوں پر بھی جامع لکھا ہوا ہے، جو مکتبہ الازہر اور دار الکتب مصر قاہرہ میں محفوظ ہیں. (مقدمہ یحی سوس ص ۱۹)

نے فرمایا: یعنی اصول کی حدیثیں۔ (مقدمۂ نووی ص ۱۵)

دارالسلام ریاض کے مطبوعہ نسخہ میں نمبر لگائے ہیں، کل تعداد سات ہزار پانچ سو باسٹھ (۷۵۶۲) ہے، شیخ محمد فؤاد عبدالباقی کے تیار کئے ہوئے نسخہ میں کل تعداد تکرار کے بعد تین ہزار تینتیس (۳۰۳۳) ہے، یہ اختلاف شمار کے معیار میں اختلاف کی وجہ سے ہے، واللہ اعلم

کتب، ابواب اور تراجم :

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں کہ صحیح مسلم امام مسلمؒ پر بغیر تراجم ابواب کے پڑھی گئی۔

امام نوویؒ مقدمۂ شرح مسلم میں لکھتے ہیں کہ امام مسلمؒ نے اپنی کتاب کو ابواب کی ترتیب پر جمع کیا ہے، حقیقت میں ابواب ہیں لیکن ابواب کے تراجم لکھے نہیں ہیں تاکہ کتاب کی ضخامت بڑھ نہ جائے، یا کوئی اور وجہ رہی ہوگی، ایک جماعت نے ابواب کے تراجم قائم کئے ہیں، بعض عمدہ ہیں، بعض عمدہ نہیں ہیں، اسلئے کہ ترجمہ کی عبارت ناقص ہے، یا الفاظ نامناسب ہیں یا کوئی اور وجہ ہے، میں یہ چاہتا ہوں کہ ایسے الفاظ سے تعبیر کروں جو اپنی جگہ پر مناسب ہوں، ان شاء اللہ تعالی۔ (مقدمۂ نووی ص ۱۵)

علامہ عثمانیؒ اسکو نقل کرکے فرماتے ہیں کہ انصاف کی بات یہ ہے کہ اب تک اس عظیم مصنفؒ کے شایانِ شان ترجمہ قائم نہیں ہوسکا، شاید اللہ تعالی اپنے کسی بندہ کو اسکی توفیق دے کہ وہ اسکا حق ادا کرے، اسی کے ہاتھ میں توفیق ہے۔ (مقدمۂ فتح الملہم ۱/۲۷۸ جدید طبع کراچی)

صحیح مسلم کی خصوصیات :

صحت کے لحاظ سے اور تراجم ابواب نیز قرآنی آیات اور صحابہ اور تابعین کے اقوال سے استنباط کے لحاظ سے تو صحیح بخاری کو سب کتابوں پر فضیلت حاصل ہے، لیکن صحیح مسلم کی

کچھ ایسی خصوصیات ہیں جن میں وہ ممتاز ہے۔

(۱) ۔ امام مسلم اپنی صحیح میں ایک حدیث کو ایک ہی جگہ پر ذکر کرتے ہیں، تکرار بہت کم جگہوں پر ہے اور جہاں حدیث ذکر کرتے ہیں اس کے سب طرق جمع کر دیتے ہیں اور راویوں کے الفاظ میں جو اختلافات ہوتے ہیں اس کو بیان کردیتے ہیں، اسلئے صحیح مسلم سے استفادہ آسان ہے، اور مختلف الفاظ دیکھ کر معنی اور مراد متعین کرنا بھی آسان ہے، اسلئے بہت سے فقہاء اور مصنفین صحیح مسلم کے حوالہ سے حدیثیں ذکر کرتے ہیں، مسلم میں اس کو تلاش کرنا آسان ہوتا ہے۔

(۲)۔ امام مسلم پوری حدیث ذکر کردیتے ہیں، حدیثوں کی تقطیع ٹکڑے ٹکڑے نہیں کرتے، متن میں کمی زیادتی ہوتی ہے تو ایک ہی جگہ سب ذکر کردیتے ہیں، بخاری حدیثوں میں تقطیع کرتے ہیں، اختصار بھی کرتے ہیں اور مختلف جگہوں پر ذکر کرتے ہیں اسلئے اس پر مستقل کتابیں لکھی گئیں، حدیث کے اطراف کو بیان کرنے کیلئے، جیسے نبراس الساری فی اطراف البخاری مولانا عبدالعزیز پنجابی سہالوی رحمۃ اللہ علیہ۔

(۳) ۔ امام مسلم حدثنا اور اخبرنا میں فرق بھی کرتے ہیں کہ کس راوی نے حدثنا کہا اور کس نے اخبرنا، محدثین کی ایک جماعت کا یہ مذہب ہے کہ اگر استاذ پڑھکر شاگرد کو حدیث سنائے تو شاگرد حدثنی کہے، کئی ایک شاگرد ہوں تو حدثنا کہے، اور اگر شاگرد نے پڑھکر استاذ کو حدیث سنائی ہو تو اکیلا ہو تو اخبرنی کہے اور زیادہ ہوں تو اخبرنا کہے، امام مسلمؒ بھی اس فرق کے قائل ہیں، اسلئے اس کو بیان کرتے ہیں، امام بخاریؒ اس فرق کے قائل نہیں وہ دونوں لفظوں کو استعمال کرنے کے قائل ہیں۔

(۴)۔ روایت کے الفاظ میں کچھ اختلاف ہوتا ہے تو اسکو بھی بیان کرتے ہیں، مثلاً فرماتے ہیں: حدثنا فلان و فلان و اللفظ لفلان ، اسی طرح کمی زیادتی ہوتی ہے تو اس کو بھی

بیان کرتے ہیں کہ کس راوی نے کم ذکر کیا کس نے زیادہ، بعض دفعہ ایک دو حرف کا فرق ہوتا ہے تو اس کو بھی بیان کر دیتے ہیں، مثلا ایک نے کہا: اَلْق سكينة علينا ، دوسرے نے کہا: و اَلْقِيَن سكينة علينا . (دیکھئے مسلم ۱۱۴/۲)

(۵)۔ کسی راوی کا نام استاذ نے جتنا ذکر کیا اتنا ہی ذکر کرتے ہیں، اگر وضاحت یا تعیین کی ضرورت ہوئی تو یعنی کہہ کر اس کو ذکر کرتے ہیں، تاکہ استاذ کی طرف ایسے لفظ کی نسبت لازم نہ آئے جو انھوں نے اپنی زبان سے نہیں کہا، یہ غایت احتیاط ہے، مثلا ثنا معقل و هو ابن عبيد الله يا ثنا عاصم و هو ابن محمد بن زيد . (۳۲/۱)

(۶)۔ کبھی استاذ نے راوی کی کنیت ذکر کی ہے، نام نہیں لیا تو امام مسلمؒ اس راوی کا نام بتا دیتے ہیں، مثلا ثنا ابو خالد يعني سليمان بن حيان الاحمر . (۳۲/۱)

(۷)۔ امام مسلم نے اپنی یہ کتاب اپنے شہر میں رہ کر اپنے اصول (لکھے ہوئے نسخے) سامنے رکھ کر بہت سے مشایخ کی حیات میں لکھی ہے، اسلئے الفاظِ حدیث کے بیان کرنے میں احتیاط کر سکے اور ان کے پیش نظر بخاری کی طرح احکام کا استنباط نہیں تھا، اسلئے تمام طرق کو اکٹھا کر دیا اور صرف مرفوع احادیث پر اکتفاء کیا، موقوفات کی طرف توجہ نہیں کی سوائے چند جگہوں کے، وہ بھی تبعا نہ کہ مقصودا . (ھدی الساری ۱۲)

امام بخاری نے فرمایا: بہت سی احادیث میں نے شام میں سنیں اور بصرہ میں لکھیں اور بہت سی بصرہ میں سنیں اور شام میں لکھیں، راوی کہتے ہیں: میں نے پوچھا پوری؟ تو بخاری خاموش رہے . (ھدی الساری ۴۸۷ وتاریخ بغداد للخطیب ۱۱/۲)

(۸)۔ بخاری میں تعلیقات اور موقوفات تراجم ابواب میں بہت ہیں، ان کی تخریج کیلئے حافظ ابن حجرؒ نے تغلیق التعلیق لکھی، وجہ اسکی یہ ہے کہ بخاری کا مقصد استنباط مسائل بھی تھا، برخلاف مسلم کے، صحیح مسلم میں صرف مرفوع حدیثیں ہیں، موقوفات صرف چند ہیں .

امام ابوعلی غسانی نے ''تقييد المهمل اور تمييز المشكل'' میں لکھا ہے کہ زیادہ سے زیادہ کل بارہ (۱۲) تعلیقات صحیح مسلم میں ہیں، علامہ ابن الصلاح نے بھی شرح مسلم میں اس کو ذکر کیا ہے اور انہی سے امام نوویؒ نے بھی مسلم کی شرح ص ۱۶ میں ذکر کیا ہے . (حاشیہ مقدمۂ ابن الصلاح ص ۷۰)

(۹)۔ حافظ احمد بن سعید ابن عقدہ نے فرمایا: امام بخاری سے اہلِ شام کے بارے میں کبھی غلطی ہو جاتی ہے، اسکی وجہ یہ ہے کہ انھوں نے انکی کتابوں کا مطالعہ کر کے ان کو جانا ہے، تو کبھی راوی کو کنیت سے ذکر کرتے ہیں اور دوسری جگہ انکے نام سے ذکر کرتے ہیں اور دونوں کو دو سمجھتے ہیں، رہے امام مسلم تو ان سے غلطی علل میں کم ہوتی ہے، کیونکہ انھوں نے سند کے ساتھ حدیثیں لکھی ہیں، مقطوع اور مرسل نہیں. (تذکرۃ الحفاظ ۱۲۶/۲ تذکرہ امام مسلم)

(۱۰)۔ صحیفہ ہمام بن منبّہ کی حدیثیں جب ذکر کرتے ہیں تو پہلے سند ذکر کرتے ہیں جیسے **حدثنا محمد بن رافع قال حدثنا عبد الرزاق حدثنا معمر عن همام قال هذا ما حدثنا أبو هريرة عن محمد رسول الله ﷺ فذكر احاديث منها و قال رسول الله ﷺ : اذا توضأ أحدكم فليستنشق بمنخريه من الماء ثم لينتثر .** (مسلم ۱۲۴/۱)

اس میں سند ذکر کر کے فرمایا کہ اس سند سے کئی حدیثیں ذکر کیں ان میں ایک یہ بھی ہے، جب بھی اس صحیفہ کی کوئی حدیث ذکر کرتے ہیں تو ایسا ہی کرتے ہیں، یہ سند ذکر کرتے ہیں اور فرماتے ہیں: فذكر أحاديث ، پھر مطلوب حدیث ذکر کرتے ہیں، یہ محتاط طریقہ ہے.

کسی صحیفہ یا کتاب میں چند احادیث ایک سند سے مذکور ہوں جیسا کہ ھمّام بن منبّہ کے صحیفہ میں ہے تو پہلی حدیث کے علاوہ دوسری احادیث میں سند ذکر نہیں کرتے، بلکہ صرف احادیث پڑھ لیتے ہیں، وہی شروع والی سند پوری کتاب میں جاری ہوتی ہیں، سب حدیثیں

پہلی حدیث پر معطوف ہوتی ہیں.

اب کوئی شاگرد پہلی حدیث کے علاوہ کوئی حدیث درمیان سے روایت کرنا چاہے تو صرف بالا سناد المذکور فی اوالھا کہہ دینا کافی ہے یا ہر حدیث کے وقت پوری سند دہرانا ضروری ہے؟ اس میں اختلاف ہے، وکیع بن الجراح، یحی بن معین، ابو بکر اسماعیلی شافعیؒ جو حدیث و فقہ اور اصول کے امام ہیں فرماتے ہیں کہ جائز ہے، یہی اکثر علماء کا مذہب ہے، اسلئے کہ تمام احادیث پہلی حدیث پر معطوف ہیں، تو پہلی سند گویا ہر حدیث میں لوٹا دی گئی.

لیکن استاذ ابو اسحاق اسفرائنی شافعی نے جو اصول وفقہ وغیرہ میں امام ہیں فرمایا: یہ جائز نہیں، لہذا اس طرح جو حدیث سنے اس کیلئے ضروری ہے کہ ہر حدیث بیان کرنے سے پہلے پوری سند بیان کرے جیسا کہ امام مسلمؒ نے کیا، اس سے معلوم ہوا کہ امام مسلم کا طریقہ احوط ہے. (مقدمۂ نووی لشرح مسلم ص ۱۵)

کسی صحیفہ کی روایت ذکر کرنے میں امام بخاریؒ کا طریقہ یہ ہے کہ اس صحیفہ کی کوئی روایت ذکر کرنا چاہتے ہیں تو صحیفہ کی پہلی حدیث سند کے ساتھ ذکر کرتے ہیں پھر فرماتے ہیں: **و باسناده قال ﷺ .**

باب البول فی الماء الدائم میں یہ سند ذکر کی: **حدثنا أبو اليمان قال أنا شعيب قال أنا ابو الزناد أن عبد الرحمن بن هرمز الأعرج حدثه أنه سمع أبا هريرة أنه سمع رسول الله ﷺ : نحن الآخرون السابقون و باسناده قال : لا يبولن أحدكم فى الماء الدائم الذى لا يجرى ثم يغتسل فيه .** (۱/ ۳۷ اور دیکھئے ۱ / ٤١٥)

حافظ ابن حجرؒ اس کی شرح میں (متعدد علماء کی تاویلات ذکر کرنے کے بعد) فرماتے ہیں ظاہر یہ ہے کہ: **أبو الزناد عن الأعرج عن أبى هريرة** کا نسخہ **معمر عن همام**

عنه جیسا تھا، اسی لئے جو حدیث ایک میں پائی جاتی ہے وہ دوسری میں بھی موجود ہے، دونوں صحیفے بہت سی حدیثوں پر مشتمل ہیں، شیخین نے ان کی اکثر حدیثوں کی تخریج کی ہے، دونوں نسخوں میں پہلی حدیث **نحن الآخرون السابقون** والی ہے، اسی لئے امام بخاریؒ ان صحیفوں کی کوئی حدیث لانا چاہتے ہیں تو پہلے پہلی حدیث ذکر کرتے ہیں، کتاب التعبیر [1] میں ہمام کے طریق سے ابو ہریرہؓ سے ایک حدیث ذکر کی تو پہلے یہی حدیث لائے: **نحن الآخرون السابقون**، پھر فرمایا: **و باسناده قال .** (باب النفخ فى النوم ۲/ ١٠٤٢)

امام مسلم نے ہمام کے نسخہ میں دوسرا طریقہ اختیار کیا، جب اس صحیفہ کی کوئی حدیث ذکر کرنی ہوئی تو فرمایا: **قال رسول الله ﷺ فذكر أحاديث منها وقال رسول الله ﷺ** پھر مقصود حدیث ذکر کرتے ہیں، اشارہ کرتے ہیں کہ یہ حدیث درمیان نسخہ کی ہے، شروع کی نہیں. (فتح الباری ۱/ ۲۴۷)

مسلم میں ایسا بہت ہے، صحیح بخاری میں جگہ جگہ اس صحیفہ کی روایتیں ہیں لیکن ہر جگہ پہلی حدیث **نحن الآخرون السابقون** نہیں ذکر کیا، مثلا **باب لا تقبل صلوة بغير طهور** ص ٢٥، **ما يقع من النجاسات فى السمن و الماء** ص ٣٧، **من اغتسل عريانا** ص ٤٢، **دفن النخامة** ص ٥٩، ان جگہوں پر **معمر عن همام عن أبى هريرة** روایتیں ہیں لیکن وہ طرز نہیں ہے کہ پہلی حدیث **نحن الآخرون السابقون** ذکر کریں، بظاہر صرف ایک دو جگہ ایسا کیا ہے، واللہ اعلم

ڈاکٹر محمد حمید اللہ (فرانس) کی تحقیق وتعلیق کے ساتھ **الصحيفة الصحيحة صحيفة همام بن منبه** شائع ہو چکا ہے، اس میں (۱۳۸) احادیث ہیں، تخریج میں بخاری اور مسلم کے

---

[1] کتاب الأیمان میں بھی ایسا ہی کیا: **معمر عن همام عن أبى هريرةؓ مرفوعا : نحن الآخرون السابقون يوم القيامة ، فقال لأن يلج أحدكم ...** الخ (۲/ ۹۸۰)

حوالے موجود ہیں، ایک تحقیقی مقدمہ بھی ہے، اس میں ۲۰ حدیثیں بخاری کی بتائی ہیں جب کہ استیعاب بھی نہیں کیا ہے .

(۱۱)۔ مسلم کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ وہ طرق کی تلخیص اور سندوں کی تحویل مختصر عبارت میں بہت اچھے طریقہ پر کردیتے ہیں . (نووی)

(۱۲)۔ بہترین ترتیب کے ساتھ احادیث کو لاتے ہیں اور احادیث میں یہ بھی ملحوظ رکھتے ہیں کہ سندوں کی خوبیاں اور رجال سند کے مراتب بھی معلوم ہوجائیں . (نووی ص ۱۵)

کسی نے کہا :

تنازع قوم فی البخاری و مسلم   لدیّ و قالوا ایّ ذین یُقدّم
فقلت لقد فاق البخاریُّ صحة   کما فاق فی حسن الصناعة مسلم

اور کسی نے کہا: قالوا : لمسلم فضل   قلت البخاری جلیّ
قالوا : المکرر فیہ   قلت المکرر أحلی

علامہ کشمیریؒ نے فرمایا :

کان العساکر حافظا و محدثا   جَمَع الصحیحَ منسّق التحریر
میلاده درٌّ و قیل البرّ بدر   أرنی وفاة حان بالتبشیر

عساکرالدین امام مسلمؒ کا لقب ہے، در (دودھ اور خیر کثیر) ۲۰۴ھ، بر (نیکی) ۲۰۲ھ بدر ۲۰۶ھ، اَرنی ۲۶۱ھ سنۂ وفات، حان ۵۹ھ مدت عمر. (علم حدیث و کتب حدیث ص ۲۶۵ از علامہ یوسف بنوریؒ) (عوارف المنن مقدمۂ معارف السنن اردو)

صحیح مسلم کے شرائط

امام مسلمؒ نے اپنی صحیح کے مقدمہ کے شروع میں اپنے شاگرد کو خطاب کرکے جنکی درخواست پر یہ کتاب لکھی ہے، جو شرط بیان فرمائی ہے اس کا خلاصہ مختصرا یہ ہے :

ہم آنحضرت ﷺ کی احادیث کو تین قسموں پر اور لوگوں کو تین طبقات پر تقسیم کریں گے :

(۱)۔ پہلی قسم ان احادیث کی ہے جو عیوب سے خالی ہیں اور ان کے ناقلین حدیث میں اتقان اور استقامت والے ہیں .

(۲)۔ دوسری قسم ان لوگوں کی احادیث ہیں جو پہلی قسم کی طرح حافظ اور متقن نہیں ہیں لیکن ان کے عیوب معلوم نہیں، اور وہ سچے ہیں، صاحب علم ہیں، جیسے عطا بن السائب، یزید بن ابی زیاد اور لیث بن ابی سلیم وغیرہ .

(۳)۔ ایسی حدیثیں جن کے ناقلین محدثین یا ان میں سے اکثر کے نزدیک متہم ہیں، ہم ان کی حدیثوں کی تخریج نہیں کریں گے، جیسے عبداللہ بن مسور، ابوجعفر مدائنی، عمرو بن خالد، عبدالقدوس شامی، محمد بن سعید مصلوب، غیاث بن ابراہیم وغیرہ جن پر احادیث کے گھڑنے اور خبروں کے بنانے کا الزام ہے، اسی طرح ان راویوں کی احادیث کی بھی تخریج نہیں کریں گے جن کی اکثر حدیثیں منکر یا غلط ہیں. (مقدمۂ صحیح مسلم ص ۳ تا ۵)

امام نوویؒ شرح مسلم کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

(فصل) : امام مسلمؒ نے اپنی صحیح کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ وہ حدیث کو تین قسموں میں تقسیم کریں گے، پہلی قسم وہ ہے کہ جس کو حفاظ متقنین نے ذکر کیا، دوسری قسم وہ ہے جس کو مستور لوگوں نے ذکر کیا جو حفظ واتقان میں درمیانی درجہ کے ہیں، اور تیسری قسم وہ ہے جس کو کمزور

متروک لوگوں نے ذکر کیا، پہلی قسم کی حدیث ذکر کرنے کے بعد دوسری قسم کی حدیث لائیں گے اور تیسری قسم کی طرف کوئی توجہ نہیں کریں گے .

اس تقسیم سے امام مسلمؒ کی کیا مراد ہے؟ اس میں بعد کے علماء کا اختلاف ہوا :

حافظ ابوعبداللہ حاکمؒ م ۴۰۵ھ اور ان کے شاگرد ابوبکر بیہقیؒ م ۴۵۸ھ نے فرمایا کہ امام مسلمؒ پہلی قسم کی حدیث ذکر کرنے کے بعد دوسری قسم کی حدیث لانے والے تھے لیکن انتقال ہو گیا اسلئے دوسری قسم کی حدیث نہیں لا سکے .

قاضی عیاضؒ م ۵۴۴ھ فرماتے ہیں کہ حاکم کی اس بات کو مشائخ اور لوگوں نے قبول کرلیا اور اس میں ان کی پیروی کی، لیکن یہ صحیح نہیں ہے، جو اچھی طرح غور کرے گا اور تقلید نہیں کرے گا وہ اس کو سمجھ سکے گا، جب تم غور کروگے تو دیکھو گے کہ مسلم نے اپنی کتاب میں حدیث کو لوگوں کے تین طبقات پر تقسیم کیا ہے جیسا کہ فرمایا ہے کہ پہلی قسم حفاظ کی حدیث ہے، اس کے بعد ایسے لوگوں کی حدیث لائے جو مہارت اور اتقان کے ساتھ موصوف نہیں لیکن سچائی اور ستر والے عالم ہیں، اور جو لوگ تمام لوگوں کے یہاں یا اکثر لوگوں کے یہاں متہم ہیں انکی روایتیں نہیں لیں، رہی وہ قسم جس میں ایسے راوی ہیں جن کو بعض نے متہم کہا اور بعض نے صحیح تو ان کو مسلم نے یہاں ذکر نہیں کیا.

میں نے دیکھا کہ امام مسلم نے اپنی کتاب کے ابواب میں پہلے دونوں طبقوں کی احادیث ذکر کی، دوسرے طبقہ کے راویوں کی احادیث پہلے طبقہ کے بعد یا تو تبعا لاتے ہیں استشہاد اور تائید کیلئے یا جب پہلے طبقہ کی احادیث باب میں نہیں پاتے .

امام مسلمؒ نے ایسے لوگوں کی احادیث بھی ذکر کی ہیں جن میں بعض لوگوں نے کلام کیا اور بعض لوگوں نے انکی توثیق کی، اور ایسے لوگوں کی بھی جن کی تضعیف کی گئی ہے یا بدعت سے متہم ہیں، امام بخاریؒ نے بھی ایسا کیا ہے .

تو میرا خیال یہ ہے کہ امام مسلم اپنی کتاب میں تینوں طبقات کی احادیث لائے ہیں جیسا کہ انھوں نے اس کو ذکر کیا اور اس کی ترتیب بیان فرمائی، چوتھی قسم کے راویوں کی روایت نہیں لائے .

حاکم نے امام مسلم کا مطلب یہ سمجھا کہ ہر طبقہ پر ایک کتاب لکھیں گے اور ان کی احادیث کو الگ الگ لائیں گے، حالانکہ یہ ان کی مراد نہیں، ان کی مراد انکی کتاب سے ظاہر ہے کہ وہ اس کو ابواب میں جمع کریں گے، پہلے طبقۂ اولی کے لوگوں کی روایتیں لائیں گے، پھر دوسرے طبقہ کے لوگوں کی روایت ذکر کریں گے تبعا و استشہادا، یہاں تک کہ تینوں طبقوں کی روایات ذکر کردیں .

اور ہو سکتا ہے کہ تین طبقات سے مراد حفاظ ہوں پھر ان کے قریب کے لوگ اور تیسرا طبقہ وہ ہے جن کو چھوڑ دیا .

اسی طرح حدیث کی علتیں جنکو بیان کرنے کا وعدہ کیا تھا انکو ابواب میں ذکر کردیا جیسے سند میں اختلاف ارسال و اسناد میں، یا کمی زیادتی کا اختلاف، یا تصحیف کرنے والوں کی تصحیف، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام مسلمؒ کا جو مقصد تھا انھوں نے اس تالیف میں پورا کردیا اور جو وعدہ کیا تھا وہ سب کتاب میں ذکر کردیا.

قاضی فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی یہ رائے ایسے لوگوں کے سامنے پیش کی جو اس باب کو سمجھ سکتے ہیں تو میں نے دیکھا کہ ہر منصف نے اس کی تصحیح کی اور اس سے اتفاق کیا اور یہ ظاہر ہے ایسے شخص کیلئے جو کتاب میں غور کرے اور ابواب کا مطالعہ کرے .

ہماری اس رائے پر امام مسلم کے شاگرد ابن سفیان کی اس بات سے اعتراض نہیں ہوگا جو انھوں نے ذکر کی کہ امام مسلم نے مسند تین کتابیں جمع کیں، ایک یہ جو لوگوں کو پڑھ کر سنائی، دوسری میں عکرمہ اور محمد بن اسحاق صاحب المغازی وغیرہ کو داخل کریں گے اور تیسری میں

ضعیف راویوں کو لائیں گے . اھ

ابن سفیان کی اس بات میں غور کرو، یہ حاکم کی بیان کی ہوئی غرض کے مطابق نہیں ہے جوانھوں نے مسلم کی کتاب کے شروع کی عبارت کے بارے میں ذکر کی ،غور کرو ایسا ہی پاؤ گے ان شاء اللہ.   یہاں تک قاضی عیاض کی بات پوری ہوئی.   قاضی عیاض نے جو مطلب اختیار کیا وہ خوب ظاہر ہے.   (نووی مقدمہ شرح ص ۱۵،۱۶)

حافظ ابن حجرؒ النکت علی ابن الصلاح میں لکھتے ہیں:

قاضی عیاض نے فرمایا اور نووی وغیرہ نے ان کا اتباع کیا کہ مسلم نے دو پہلی قسموں کی احادیث کی تخریج کی ، تیسری قسم کی تخریج نہیں کی .

اور حاکم وبیہقی وغیرہ نے فرمایا کہ امام مسلمؒ نے صرف پہلی قسم کی احادیث کی تخریج کی، اس کو بیان کرنے کے بعد ان کا انتقال ہوگیا، دوسری اور تیسری قسم کی احادیث کی تخریج نہیں کر سکے .

اس کی تائید بیہقیؒ کی اس روایت سے ہوتی ہے جوانھوں نے امام مسلم کے شاگرد ابراہیم بن محمد بن سفیان سے ذکر کی، کہ امام مسلمؒ نے تین کتابیں لکھیں: ایک یہی کتاب جو لوگوں کو پڑھکر سنائی یعنی صحیح مسلم، دوسری میں عکرمہ اور ابن اسحٰق وغیرہ کی روایت لائیں گے، اور تیسری میں ضعفاء کی روایت لائیں گے .

میں کہتا ہوں (ابن حجرؒ) : قاضی عیاض اور ان کے متبعین پر یہ بات مشتبہ ہوئی، اس طرح کہ دوسری قسم کے لوگوں کی روایت ان کی صحیح میں موجود ہے، لیکن اصل مسئلہ یہ ہے کہ کیا مسلم نے ان سے استدلال کیا یا نہیں ؟

حق یہ ہے کہ مسلم نے دوسری قسم کے لوگوں سے تنہا روایت نہیں ذکر کی، استدلال صرف پہلی قسم کے لوگوں سے کیا خواہ منفرد ہوں یا نہیں، دوسری قسم کی احادیث پہلی قسم کی احادیث

سے تفرد کو دور کرنے کے لئے لاتے ہیں، اسی طرح دوسری قسم سے کوئی حدیث متعدد طرق سے مروی ہوتی ہے جس سے ایک دوسرے کو تائید ملتی ہے تو کبھی اسکو بھی ذکر کردیتے ہیں.

یہ بات ان کی کتاب میں بالکل ظاہر ہے، اگر دوسری قسم کی احادیث اصول میں بلکہ متابعات میں لاتے تو ان کی کتاب کئی گنا زیادہ ہوجاتی، کیا دیکھتے نہیں کہ عطاء بن السائب کی حدیث متابعات میں لائے، انکی حدیثیں بہت ہیں لیکن مسلم میں انکی حدیثیں چند جگہوں پر ہیں، محمد بن اسحاق بھی حدیث کے سمندر ہیں لیکن مسلم میں متابعات میں ان سے ٦۔٧ حدیثیں ہیں، لیث بن سلیم، یزید بن ابی زیاد اور مجالد بن سعید کی حدیثیں بھی دوسروں کے ساتھ ملا کر لائے ہیں.   (النکت علی ابن الصلاح ۱/۴۳۴)

نوویؒ ، قاضی عیاضؒ کے حامی ہیں اور حافظ ابن حجرؒ حاکم اور بیہقیؒ کے، قاضی عیاضؒ نے صرف اتنا فرمایا تھا کہ دوسرے طبقہ کے لوگوں کی روایت تبعا واستشہاداً لائے ہیں اور بظاہر تیسرے طبقہ کے لوگوں کو بھی جن کو قاضی عیاض نے ذکر کیا، یہ نہیں فرمایا کہ اصول میں لائے، حافظ نے فرمایا کہ تفرد دور کرنے کیلئے لائے، یہ بھی متابعت اور استشہاد ہے، حافظ نے یہ بھی مانا کہ دوسرے طبقہ کی روایت ایک دوسرے سے مؤید ہوتی ہے، متعدد طرق سے مروی ہو تو کبھی اسکو بھی ذکر کرتے ہیں، یہ بات تقریبا وہی ہے جو قاضی عیاض نے فرمائی.

اور ابن سفیان نے فرمایا: امام مسلمؒ نے تین کتابیں لکھیں، صنّف کا لفظ ہے یا اخرج ثلثة کتب من المسندات ، اس سے تو معلوم ہوا کہ تینوں لکھ لیں دوسری تیسری کہاں گئیں.

ابن سفیان کے کے کلام میں یُدخِل کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ داخل کرتے ہیں، ابن سفیان کے کلام میں یہ تصریح نہیں ہے کہ دوسری کتاب لکھنے سے قبل انتقال ہوگیا.

بہر حال یہ مسئلہ پیچیدہ ہوگیا ہے، نفس الامر میں یہ بات ہے جو حافظ کو بھی تسلیم ہے کہ مسلم میں دوسرے تیسرے قسم کے رواۃ کی حدیثیں موجود ہیں، خواہ اصول میں نہ ہوں، استشہاد اور

متابعت میں ہوں یا تعدد طرق سے مروی ہونے کی وجہ سے آئی ہوں. واللہ اعلم

(امام مسلمؒ پر اعتراض اور اس کا جواب)

امام نوویؒ نے شرح مسلم کے مقدمہ ص ۱۶ میں ایک فصل میں یہ بیان فرمایا :

اعتراض : کچھ لوگوں نے امام مسلم پر عیب لگایا کہ انھوں نے اپنی صحیح میں ضعفاء کی ایک جماعت سے حدیثیں ذکر کیں اور درمیانی درجہ کے لوگوں سے بھی جو صحیح کی شرط پر نہیں ہیں.

جواب: مسلم پر کوئی عیب نہیں، اس کا جواب کئی طریقہ پر ہے، شیخ امام ابوعمرو ابن الصلاح نے ان کو ذکر کیا ہے :

(۱)۔ ایسے ضعیف لوگوں کی روایت لی ہے جو دوسروں کے یہاں ضعیف ہیں لیکن امام مسلمؒ کے نزدیک ثقہ ہیں، یہاں یہ نہیں کہا جائے گا کہ جرح' تعدیل پر مقدم ہے، اسلئے کہ یہ اس وقت ہوتا ہے جب جرح مفسر ہو اس کا سبب معلوم ہو، ورنہ جرح مقبول نہیں، امام حافظ ابوبکر احمد بن علی خطیب وغیرہ نے فرمایا: بخاری مسلم اور ابوداود نے ایسے راویوں کی روایات سے استدلال کیا ہے جن پر لوگوں نے اعتراض کیا ہے، یہ محمول ہے اس صورت پر کہ اعتراض اور طعن کا سبب بیان نہیں کیا گیا.

(۲)۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ ایسا متابعات اور شواہد میں ہوا ہے نہ کہ اصول میں، اس کی صورت یہ ہے کہ پہلے حدیث کو صاف ستھری سند سے ذکر کر دیا جس کے رجال ثقہ ہیں اور اس کو اصل قرار دیا پھر دوسری ایک سند یا چند سندیں لائے جن میں بعض ضعفاء ہیں، تاکہ اس سے پہلی سند کی تاکید کریں یا اس میں کچھ زیادتی ہے جس سے کسی فائدہ پر تنبیہ کریں .

حاکم ابوعبداللہ نے یہی استشہاد اور متابعت کا عذر پیش کیا ہے ایسے راویوں سے حدیث

ذکر کرنے میں جو صحیح کی شرط پر نہیں ہیں، جیسے مطر وراق، بقیہ بن ولید، محمد بن اسحاق بن یسار، عبداللہ بن عمر عمری، نعمان بن راشد وغیرہ ان سے مسلم نے شواہد میں حدیثیں ذکر کی ہیں.

(۳)۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ ضعیف کا ضعف اسلئے پیدا ہوا کہ وہ راوی بعد میں مختلط ہو گئے، صحیح کے مصنف نے ان سے اختلاط سے قبل حدیث سن لی تھی، بعد میں ضعف پیدا ہوا تو استقامت کے زمانہ کی روایت پر اس سے کوئی حرج نہیں ہوگا، جیسے احمد بن عبدالرحمٰن بن وہب جو عبداللہ بن وہب کے بھتیجے ہیں، حاکم ابوعبداللہ نے ذکر کیا کہ وہ ۲۵۰ھ کے بعد مختلط ہوئے جب کہ مسلم مصر سے نکل چکے تھے، اس کی مثال سعید بن ابی عروبہ، عبدالرزاق وغیرہ ہیں جو آخر میں مختلط ہوئے، جن لوگوں نے اختلاط سے قبل سنا ان کی حدیث سے استدلال کرنے میں کوئی حرج نہیں، صحیحین میں ان کی ایسی ہی روایتیں مذکور ہیں.

(۴)۔ چوتھا جواب یہ ہے کہ مصنفؒ کبھی ضعیف راوی کی روایت اسلئے لاتے ہیں کہ وہ عالی ہوتی ہے اور ثقات کی روایت نازل ہوتی ہے، عالی کے ذکر پر کفایت کرتے ہیں، سافل کو ذکر نہیں کرتے، اسلئے کہ اہل فن کو معلوم ہے، اس کو ذکر کر کے تطویل نہیں کرنا چاہتے.

یہ عذر امام مسلم سے صراحۃ مروی ہے، اور یہ بات مصنّف کے نشاط اور عدم نشاط پر مبنی ہے، کبھی نشاط ہوتا ہے تو ثقات کی روایت پہلے لاتے ہیں پھر ان سے نیچے کی روایت متابعت میں لاتے ہیں، ورنہ صرف نیچے والوں کی روایت پر اکتفاء کرتے ہیں، ثقات کی روایت نہیں لاتے، اسلئے کہ اصحاب فن کو معلوم ہے، عالی سند ذکر کر دی اگر چہ اس میں ضعف ہے.

سعید بن عمرو برذعی فرماتے ہیں کہ میں ابوزرعہ رازیؒ کی خدمت میں حاضر تھا، انھوں نے امام مسلم پر اعتراض کیا کہ اسباط بن نصر، قطن بن نسیر، احمد بن عیسی مصری کی روایتیں کیوں ذکر کیں، یہ بھی فرمایا کہ اس سے بدعتی لوگوں کو موقع ملے گا کہ انکے خلاف جب کسی حدیث سے استدلال کیا جائے گا تو کہیں گے یہ حدیث صحیح نہیں ہے.

سعید کہتے ہیں کہ جب میں نیشاپور گیا تو امام مسلم سے اسکا تذکرہ کیا تو فرمایا کہ تم جو کہتے ہو صحیح ہے لیکن میں نے اسباط، قطن، اور احمد کی وہی روایتیں لی ہیں جنکو ثقات نے اپنے شیوخ سے ذکر کیا ہے، مگر میرے پاس ان لوگوں کی روایتیں علو کے ساتھ پہونچیں اور اوثق کی روایت نزول کے ساتھ، تو میں نے اسی پر بس کر دیا، اصل حدیث ثقات کی روایت سے مشہور ہے۔

سعید کہتے ہیں کہ امام مسلم اس کے بعد رَے گئے اور وہاں ابو عبداللہ محمد بن مسلم بن وارہ سے ملے تو وہ بھی ابو زرعہ کی طرح مسلم پر ناراض ہوئے اور عیب لگایا کہ اس سے بدعتیوں کو موقعہ ملے گا، تو امام مسلم نے یہ عذر پیش کیا کہ میں نے یہ کتاب تیار کی اور کہا کہ یہ سب صحیح ہے یہ نہیں کہا کہ جو حدیث یہاں نہیں ہے وہ ضعیف ہے، میں نے صحیح احادیث سے یہ مجموعہ تیار کیا ہے تا کہ میرے پاس رہے اور میرے شاگردوں کے پاس جو مجھ سے لکھیں گے اور صحت میں شبہہ نہ ہو، محمد بن مسلم نے یہ عذر امام مسلمؒ سے قبول کیا اور تعریف کی۔

شیخ (ابن الصلاح) فرماتے ہیں: ہم نے اس سے قبل یہ ذکر کیا ہے کہ امام مسلمؒ نے یہ کتاب ابو زرعہ رازیؒ پر پیش کی، انھوں نے جس حدیث میں کسی علت کی طرف اشارہ کیا اس کو نکال دیا اور جس کو صحیح کہا اور علت سے خالی سمجھا اس کو رہنے دیا۔

شیخ فرماتے ہیں: یہ مشکل مقام ہے، میں نے اس کو اچھی طرح واضح کیا ہے، کسی کتاب میں اس طرح میں نے نہیں دیکھا اور ساری تعریف اللہ تعالیٰ ہی کی ہے۔

تنبیہ: میری اس بات سے معلوم ہوا کہ کسی راوی کے صرف صحیح مسلم میں آنے سے یہ فیصلہ کرنا کہ یہ راوی مسلم کے نزدیک صحیح کی شرط کے مطابق ہے صحیح نہیں، یہ غفلت اور غلطی ہے، دیکھنا چاہئے کہ مسلمؒ نے اس راوی کی روایت کس طرح ذکر کی (یعنی اصول میں یا متابعت اور تائید میں؟)۔ (مقدمہ شرح مسلم للنوویؒ ص ۱۶)

صحیح مسلمؒ پر مستخرجات

کئی حفاظ نے صحیح مسلم پر مستخرجات لکھی ہیں، استخراج کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کوئی محدث مثلاً امام مسلمؒ کی صحیح کی حدیثوں کو لے اور اس کو اپنی سند سے بیان کرے اور اوپر جا کر امام مسلمؒ کے شیخ یا اس کے اوپر کسی شیخ پر مل جائے۔

بخاری اور مسلم پر کئی محدثین نے مستخرجات لکھی ہیں، بعض لوگوں نے ابوداود اور ترمذی پر بھی استخراج کیا ہے۔ (تدریب الراوی ۱/۱۱۱ مع حاشیہ ومقدمہ فتح الملہم ۱/۲۸۵ جدید طبع کراچی)

امام نوویؒ لکھتے ہیں: حفاظ حدیث کی ایک جماعت نے صحیح مسلم پر کتابیں لکھی ہیں، یہ لوگ مسلم کے بعد کے ہیں، ان لوگوں نے اونچی سندیں پائیں اور بعض نے امام مسلم کے بعض اساتذہ کو بھی پایا، مسلم کی احادیث کو اپنی سندوں سے اپنی کتابوں میں ذکر کیا۔

شیخ ابو عمرو (ابن الصلاح) نے فرمایا: یہ کتابیں صحیح مسلم کے ساتھ اس بات میں شریک ہیں کہ صحیح کی علامت ان میں پائی جاتی ہے، لیکن صحیح مسلم کی تمام خصوصیات ان میں نہیں ہیں، اور ان مستخرجات کے تین فائدے ہیں: ۱۔ علو سند ۲۔ کثرت طرق سے حدیث کا قوی ہونا ۳۔ صحیح مفید الفاظ کی زیادتی۔

پھر ان مستخرجین نے یہ التزام نہیں کیا ہے کہ الفاظ بھی بالکل موافق ہوں گے، کیونکہ وہ دوسرے طرق سے نقل کرتے ہیں، اسلئے بعض جگہ الفاظ کا فرق ہو جاتا ہے۔

وہ مستخرجین یہ ہیں:

(۱)۔ زاہد وعابد ابو جعفر احمد بن حمدان نیشاپوری حیریؒ م ۳۱۱ھ، حیرہ نیشاپور کا ایک بڑا محلّہ تھا۔

(۲)۔ابوبکر محمد بن رجاء نیشاپوری حافظ اسفرائنی م ۲۸۶ھ ، یہ متقدم ہیں، امام مسلم کے اکثر شیوخ میں شریک ہیں.

(۳)۔ حافظ ابوعوانہ یعقوب بن اسحاق اسفرائنی م ۳۱۶ھ، انھوں نے امام مسلم کے اساتذہ یونس بن عبد الاعلی وغیرہ سے روایت کیا ہے .

(۴)۔ ابو حامد احمد بن محمد شارکی ہروی فقیہ شافعی م ۳۵۵ھ ، ابویعلی موصلی سے روایت کرتے ہیں .

(۵)۔ ابوبکر محمد بن عبد اللہ جوزقی شافعیؒ نیشاپوری م ۳۸۸ھ [۱]

(۶)۔ حافظ ابونعیم احمد بن عبد اللہ اصفہانی م ۴۳۰ھ

(۷)۔ امام ابوالولید حسان بن محمد قرشی فقیہ شافعی قزوینی نیشاپوری م ۳۴۴ھ رحمھم اللہ تعالی

(مقدمۂ نووی لشرح مسلم ص ۱۶ ومقدمۂ ابن الصلاح بتحقیق الشیخ عتر ص ۲۲)

امام سیوطیؒ نے تدریب الراوی میں اور لوگوں کے نام بھی بتائے ہیں :

(۸)۔ ابوعمران موسی بن عباس جوینی م ۳۲۳ھ

(۹)۔ ابوالسفر طوسی محمد بن محمد بن یوسف م ۳۴۴ھ

بعض محدثین نے بخاری ومسلم دونوں پر تخریجات لکھی ہیں :

(۱)۔ ابونعیم احمد بن عبد اللہ اصبہانیؒ م ۴۰۳ھ

(۲)۔ ابوعبد اللہ بن الاخرم محمد بن یعقوب شیبانی نیشاپوری م ۳۴۴ھ

(۳)۔ ابوذر عبد بن احمد مالکی ہروی انصاری م ۴۳۴ھ

(۴)۔ ابومحمد خلال حسن بن ابی طالب بغدادی م ۴۳۹ھ

(۵)۔ حسن بن محمد ابوعلی ماسرجسی م ۲۶۵ھ

---

[۱] جوزق نیشاپور کے ایک قریہ کا نام ہے .

(۶)۔ ابومسعود سلیمان بن ابراہیم اصبہانی م ۴۸۶ھ (۷)۔ ابوبکر یزدی

(۸)۔ ابوبکر بن عبدان شیرازی م ۳۸۸ھ (تدریب الراوی ۱/۱۱۱)

صحیح بخاری پر استدراک لکھنے والے یہ ہیں :

(۱)۔ اسماعیلی ابوبکر احمد بن ابراہیم جرجانی م ۳۷۱ھ

(۲)۔ بَرقانی ابوبکر احمد بن محمد خوارزمی م ۴۲۵ھ

(۳)۔ ابو احمد غطریفی محمد بن حامد جرجانی م ۳۷۷ھ

(۴)۔ ابوعبد اللہ بن ابی ذہل ضَبّی ہروی م ۳۷۸ھ

(۵)۔ ابوبکر بن مردویہ احمد بن موسی اصبہانی م ۴۱۶ھ . (تدریب ۱/۱۱۱)

(عوارف المنن کا ترجمہ: علم حدیث، محدثین اور کتب حدیث: علامہ بنوریؒ ص ۲۲۰)

ابوداود پر مستخرج لکھنے والے یہ حضرات ہیں:

(۱)۔ قاسم بن اصبغ (۲)۔ ابوبکر بن منجویہ اصبہانی احمد بن علیؒ م ۴۲۷ھ

(۳)۔ ابوعبد اللہ محمد بن عبد الملک بن ایمن قرطبی

جامع ترمذی پر مستخرج لکھنے والے یہ حضرات ہیں:

(۱)۔ ابن منجویہ ابوبکر اصفہانی احمد بن علیؒ م ۴۲۷ھ

(۲)۔ ابوعلی طوسی حسن بن علی بن نصر خراسانیؒ . (حاشیہ تدریب الراوی ۱/۱۱۱)

تنبیہ :علامہ محمد یوسف بنوریؒ نے مسلم پر استخراج کرنے والے تین مزید علماء کے نام لکھے ہیں :

(۱)۔ مستخرج ابوسعید: حافظ ابوسعید احمد بن ابی بکر محمد حیری نیشاپوری م ۳۵۳ھ، طرطوس میں شہید ہوئے .

(۲)۔ مستخرج بزار : حافظ ابوالفضل احمد بن سلمہ نیشاپوری البزار م ۲۸۶ھ، بلخ کے سفر میں

امام مسلم کے رفیق تھے، (انہی کی درخواست پر امام مسلم نے اپنی صحیح تصنیف کی)

(۳)۔ مستخرج بلاذری: حافظ ابو محمد احمد بن طوسی بلاذری م ۳۳۹ھ

(ترجمہ عوارف المنن مقدمۂ معارف السنن ص۲۲۳)

نیز فرمایا: اس سلسلہ کی مزید کتابوں کا ذکر ہم نے حذف کر دیا. (ایضا)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اور کام بھی اس موضوع پر ہوا ہے. واللہ اعلم

ان تینوں کتابوں کا ذکر تدریب الراوی میں مجھ کو نہیں ملا.

صحیحین کی مستخرجات کے فوائد پر امام سیوطیؒ کا کلام تدریب الراوی ۱/۱۱۱ سے ہم پہلے نقل کر چکے ہیں. دیکھئے اس کتاب کا صفحہ ۲۷

صحیح مسلم کے روات

امام نوویؒ لکھتے ہیں: امام مسلمؒ کی صحیح نہایت مشہور ہے، فی الجملہ وہ ان سے متواتر ہے اور اس کا علم قطعی حاصل ہے کہ یہ امام مسلمؒ کی تصنیف ہے، البتہ متصل سند سے روایت کے اعتبار سے ان شہروں اور مختلف زمانوں میں صرف ابو اسحاق ابراہیم بن محمد بن سفیان (نیشاپوری حنفی) سے ہی مروی ہے.

ہاں بلاد مغرب میں ابو محمد احمد بن علی قلانسی سے بھی مروی ہے، لیکن ان کی روایت مغرب میں منحصر رہی اس سے باہر نہیں گئی، اس کو مغرب میں ابو عبد اللہ محمد بن یحی بن حذاء تمیمی قرطبی وغیرہ لے گئے، ان لوگوں نے اس کو مصر میں ابو العلاء عبد الوہاب بن عیسی بن عبد الرحمٰن بن ماہان بغدادی سے حاصل کیا تھا، انھوں نے فرمایا کہ مجھ سے ابو بکر احمد بن محمد بن یحی اشقرؒ نے بیان کیا جو فقہ شافعی میں فقیہ تھے، ان سے ابو محمد قلانسیؒ نے بیان کیا ان سے امام

مسلمؒ نے.

ابو اسحاق ابراہیم بن محمد بن سفیان حنفیؒ سے صحیح مسلم کو بہت سے لوگوں نے نقل کیا، ان میں سے ایک ابو احمد محمد بن عیسی بن محمد بن عبد الرحمٰن جلودی نیشاپوری سفیانی بھی ہیں، ان جلودی سے بھی ایک جماعت نے نقل کیا ان میں سے ایک فارسی یعنی ابو الحسین عبد الغافر بن محمد فارسی فسوی نیشاپوری ہیں، ان سے بھی ایک جماعت نے نقل کیا جن میں ایک فراوی محمد ابن فضل بن احمد بن محمد بن احمد صاعدی فراوی نیشاپوری شافعیؒ ہیں، ان کے بھی بہت سے شاگرد ہیں ان میں ایک منصور ہیں، ان کے بھی بہت سے شاگرد ہیں ان میں ایک ہمارے شیخ رضی الدین ابو اسحاق ہیں. (مقدمہ شرح مسلم نووی ص۱۲ فصل ثانی)

تنبیہ: امام نوویؒ لکھتے ہیں کہ امام ابو عمرو ابن الصلاح رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جان لو کہ ابراہیم بن سفیان (شاگرد امام مسلمؒ) نے امام مسلمؒ سے پوری صحیح مسلم نہیں سنی بلکہ کہیں کہیں ان سے سننا رہ گیا، اس حصہ کو امام مسلمؒ سے اجازۃً یا وجادۃً نقل کرتے ہیں، اسلئے ان حدیثوں کو اخبرنا مسلم یا حدثنا مسلم کہہ کر نہیں نقل کریں گے بلکہ یوں کہیں گے: اخبرنا ابراہیم عن مسلم، ایسی کل تین جگہیں ہیں:

(۱)۔ پہلی جگہ کتاب الحج میں باب الحلق والتقصیر میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **رحم الله المحلقين**، یہ ابن نمیر کی روایت ہے، میں نے حافظ ابو القاسم دمشقیؒ کے اصل نسخہ میں ان کے ہاتھ سے یوں لکھا ہوا پایا: **اخبرنا ابو اسحاق ابراهيم بن محمد بن سفيان عن مسلم قال حدثنا ابن نمير حدثنا ابي حدثنا عبيد الله بن عمر الحديث .**

اسی طرح حافظ ابو عامر العبدری کے اصل میں بھی ان کے خط سے ہے، مگر اس میں ہے: **حدثنا أبو اسحاق .**

اوران کے یہاں ایک پرانے اصل (نسخہ) میں جو ابواحمد جلودی سے لیا گیا ہے یہ لکھا ہوا میں نے دیکھا: ''یہاں سے میں نے ابواحمد پر پڑھا کہ آپ سے ابراہیم نے بیان کیا امام مسلم سے''.

اور اسی طرح ان کی کتاب میں تھا علامت تک، شیخ (ابن الصلاح) فرماتے ہیں کہ یہ علامت تقریباً آٹھ اوراق کے بعد تھی، ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث کی ابتداء تک جس میں یہ مضمون ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب سفر کیلئے باہر نکلتے تو اونٹ پر بیٹھ کر تین مرتبہ تکبیر (اللہ اکبر) پڑھتے.

اور وہیں جلودی سے لی ہوئی اصل میں یہ بھی لکھا تھا: ''یہاں تک ہم نے جلودی پر پڑھا امام مسلمؒ سے اور یہاں سے کہا: حدثنا مسلم (کہ مسلم نے ہم سے بیان کیا)''.

حافظ ابوالقاسم کی اصل میں یہاں ان کے ہاتھ سے لکھا ہوا ہے کہ ''یہاں سے حدثنا مسلم کہتے ہیں اور یہاں تک شک ہے''.

قدیمی کتبخانہ سے ۱۳۷۵ھ ۱۹۵۶ء میں چھپی ہوئی صحیح مسلم میں یہ چھوٹا ہوا حصہ ۴۲۰/۱ پر **حدثنا یحی بن یحی و محمد بن رمح قالا اخبرنا اللیث** سے شروع ہوتا ہے اور ۴۳۴/۱ پر **حدثنا هارون بن عبد الله قال ثنا حجاج بن محمد قال قال ابن جريج اخبرني ابو الزبير أن عليا الأزدي أخبره أن ابن عمر علّمهم أن رسول الله ﷺ كان اذا استوى على بعيره خارجا الى سفر كبّر ثلثا الحديث** سے ختم ہوجاتا ہے، یہاں سے ابراہیم بن محمد ابواسحاق نے امام مسلم سے سنا ہے.

(۲)۔ دوسری جگہ مسلم جلد ثانی میں ۳۸/۲ پر ہے کتاب الوصیہ کے شروع میں: **حدثنا ابو خيثمه زهير بن حرب ومحمد بن المثنى العنزى و اللفظ لمحمد بن المثنى الى ابن عمر** رضی اللہ عنہما **أن رسول الله ﷺ قال : ماحق امرء مسلم له شىء**

يريد أن يوصى الحديث .

اور یہ سلسلہ چلا گیا ہے ۵۶/۲ تک : **حدثنی اسحاق بن منصور قال انا بشر ابن عمرؓ قال سمعت مالک بن انسؒ الحدیث (فی قصة قتل عبد الله بن سهل)** سے قبل تک، یہاں حدثنی اسحاق بن منصور سے پھر اتصال شروع ہوجاتا ہے.

(۳)۔ تیسری جگہ ۱۲۶/۲ پر ہے امارت وخلافت کے بیان میں **باب الامام جنة يقاتل من ورا ئه ويتقى به ، حدثنا ابراهيم عن مسلم حدثنی زهير بن حرب حدثنا شبابة الى .... عن أبى هريرة** رضی اللہ عنہ **عن النبى ﷺ قال انما الامام جنة الحدث .**

اور یہ سلسلہ چلا گیا ہے ۱۴۶/۲ تک کتاب الصید والذبائح میں **حدثنا محمد بن مهران الرازی قال ثنا ابو عبد الله حماد بن خالد الخياط ـ الى ـ عن أبى ثعلبه الخشنی** رضی اللہ عنہ **عن النبی ﷺ قال اذا رمیت بسهمک الحدیث** سے قبل تک، اس حدیث سے پھر اتصال شروع ہوجاتا ہے، یہ حصہ سب سے لمبا ہے.

حافظ ابوحازم عبدری نے جو اس کتاب کو محمد بن یزید عدل سے نقل کرتے ہیں اور وہ ابراہیم سے اس حدیث (**حدثنا محمد بن مهران الرازی**) کے شروع میں لکھا کہ یہاں سے ابراہیم قال مسلم کہتے ہیں.

اور جہاں چھوٹا ہوا ہے اس کو عن سے نقل کرتے ہیں جو اصلی نسخہ جلودی سے لیا گیا ہے اس میں بھی اور ابوعارم عبدری اور ابوالقاسم دمشقی کے نسخوں میں بھی عن ہے، یہاں بھی اور اس سے قبل چھوٹے ہوئے حصہ میں بھی، تو ہوسکتا ہے کہ ابراہیم نے اس کو اجازت سے نقل کیا ہو یا لکھا ہوا پا کر (وجادہ) سے، بعض نسخوں میں یہ صاف لکھا ہوا ہے کہ ان تمام جگہوں میں یا بعض میں امام مسلم سے اجازت کے ذریعہ نقل کرتے ہیں. (یہاں تک شیخ ابن

الصلاح کی بات ختم ہوئی ۔ (مقدمۂ امام نوویؒ ص۱۳۔۱۲)

شروح وحواشی ومختصرات

صحیح مسلم کی اہمیت کی وجہ سے علماء کرام نے اس کی متعدد شرحیں لکھی ہیں، بعض نے اختصار بھی کیا ، پھر اس کی شرح بھی کی :

الدیباج علی صحیح مسلم بن حجاج امام سیوطیؒ کی شرح پر مقدمہ میں علامہ بدیع السید اللحام دمشقی محقق نے شروح صحیح مسلم پر بہت تفصیل لکھی ہے، اس میں انھوں نے چوراسی (۸۴) شروح وحواشی کو ذکر فرمایا ہے، اس میں سے چند مشہور یہ ہیں :

(۱)۔ المعلم بفوائد مسلم : ابوعبداللہ محمد بن علی المازِری التیمی متوفی ۵۳۶ھ ، تین جلدوں میں ہے، مازِرہ جزیرۂ صقلیہ میں ایک شہر تھا، ان کی اصل مازر کی تھی لیکن مازری ٹیونس کی ایک بستی مہدیہ میں پیدا ہوئے تھے. (مقدمۂ اکمال ص ۴۸)

(۲)۔ اکمال المعلم بفوائد مسلم : ابوالفضل عیاض بن موسی بن عیاض الیحصبی م۵۴۴ھ ، انھوں نے مازری کی شرح کی تکمیل کی اسلئے یہ نام رکھا، ۹ جلدوں میں ہے یحصب بکسر الصاد (مقدمۂ اکمال ص۲۰) ، یہ حمیر کا ایک قبیلہ تھا، یہ شام گئے، پھر مصر، فاس وغیرہ میں پھیلے، اندلس فتح ہونے کے بعد اندلس بھی گئے. (مقدمۂ اکمال)

(۳)۔ المفهم لما أشكل من تلخيص كتاب مسلم: ابوالعباس احمد بن عمر القرطبی م۶۵۶ھ، قرطبی نے صحیح مسلم کی تلخیص کی پھر اس کی شرح کی ۹ جلدوں میں .

(۴)۔ المنهاج شرح صحيح مسلم بن الحجاج : یحی بن شرف النووی م۶۷۶ھ شیخ شمس الدین محمد بن یوسف قونوی حنفی متوفی ۷۸۸ھ نے اس کا اختصار کیا.

(۵)۔ اکمال اکمال المعلم : ابوعبداللہ محمد بن خلیفہ وشتانی اُبّی مالکی تونسی قرطبیؒ متوفی ۸۲۷ھ یا ۸۲۸ھ ، اُبّی ٹیونس کے ایک گاؤں کی طرف نسبت ہے، یہ جزیرہ کے قاضی بھی ہوئے تھے، اس میں شارح نے مازری، قاضی عیاض، قرطبی اور نووی کی باتیں ذکر کی ہیں اور اس پر اضافہ بھی کیا ہے، انکے شیخ ابوعبداللہ محمد بن عرفہ نے اس شرح کی تعریف کی ہے، ابّی نے مقدمۂ صحیح مسلم کی شرح نہیں کی ہے، اسی کے ساتھ محمد بن محمد بن یوسف سنوسی حسنی تلمسانی م۸۹۵ھ کی شرح بھی چھپی ہے، دونوں ۹ جلدوں میں ہے سنوسی نے مقدمہ کی بھی شرح کی ہے.

(۶)۔ المفهم فی شرح غریب مسلم : امام عبدالغافر بن اسماعیل فارسی متوفی ۵۲۹ھ، اس میں غریب الفاظ کی شرح کی ہے.

(۷)۔ الدیباج علی صحیح مسلم بن حجاج : جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر سیوطیؒ متوفی ۹۱۱ھ، علامہ سید علی بن سلیمان مالکی دمنتی متوفی ۱۲۹۸ھ نے اس کی تلخیص کی، اس کا نام وشی الدیباج ہے.

نــوٹ : علامہ سیوطیؒ نے صحاح ستہ پر حواشی لکھے، علامہ دمنتی نے ان سب کی تلخیص کی، سیوطیؒ نے مؤطا امام مالک کی دوشرحیں لکھیں ۱۔کشف المغطا عن المؤطا ۲۔تنویر الحوالک، یہ پہلی کا اختصار ہے، رجال مؤطا پر بھی ایک کتاب لکھی اسعاف المبطا برجال المؤطا.

(دیکھئے کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون، ملا کاتب چلپی حاجی خلیفہ ۱/۵۵۵تا۵۵۸)

(۸)۔ حاشیۂ مسلم : علامہ شیخ ابوالحسن سندی محمد عبدالہادیؒ متوفی ۱۱۳۶ھ یا ۱۱۳۷ھ یا ۱۱۳۹ھ یا ۱۱۴۱ھ

(۹)۔ الحل المفهم : حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی تقریر صحیح مسلم جو مولانا یحی کاندھلویؒ نے تحریر فرمائی، مولانا محمد حسن پشاوری مکی نے جو افادات لکھے تھے اس کو حاشیہ میں

ذکر کیا گیا، مولانا محمد حسن نے دو دفعہ حضرت گنگوہیؒ سے صحاح ستہ پڑھی، کتاب کی ترتیب مولانا محمد عاقل اور مولانا حبیب اللہ بہاری نے کی، دو جلدوں میں مطبوع ہے۔

(۱۰)۔ فتح الملہم بشرح صحیح الامام مسلم : علامہ شبیر احمد عثمانیؒ متوفی ۱۳۶۹ھ، شروع میں بہت شاندار مقدمہ بھی ہے، بہت مفصل اور نفیس شرح ہے ، مولانا نے کتاب النکاح کے آخری باب جواز الغیلہ کے آخر تک لکھی، اسکے بعد مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ نے کتاب الرضاع سے شروع کیا اور مکمل فرمایا، تحقیق وجستجو میں اور احادیث کی تخریج میں پرانے علماء کی یاد تازہ کردی، بہت سے مسائل کی تحقیق بہت تفصیل سے کی، جزاھم اللہ خیرا، تکملہ ۶ جلدوں میں ہے، ابتدائی شرح ٹائپ سے شائع کی تو ۶ جلدوں میں آئی، مطبوعہ دار القلم دمشق۔

دیگر شروح :

ان کے علاوہ سبط ابن الجوزی شمس الدین ابو المظفر یوسف بن قزاوعلی متوفی ۶۵۴ھ، ابو الفرج عیسی بن مسعود زوادی متوفی ۷۴۴ھ، قاضی زین الدین زکریا انصاریؒ متوفی ۹۲۶ھ، شیخ شہاب الدین احمد بن محمد خطیب قسطلانی شافعیؒ متوفی ۹۲۳ھ، ملا علی قاری ہروی مکی متوفی ۱۰۱۴ھ، سراج الدین عمر بن علی ابن الملقّن متوفی ۸۰۴ھ وغیرہم نے بھی صحیح مسلم کی شرحیں لکھیں۔ (کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون لملا کاتب چلپی ۵۵ تا ۵۵۸ اور مقدمہ دیباج شیخ بدیع السید لحام)

مختصرات :

مختصر ابو الفضل محمد بن عبد اللہ المرسیؒ متوفی ۶۵۵ھ

مختصر الامام زکی الدین عبد العظیم بن عبد القوی منذریؒ متوفی ۶۵۶ھ

اس مختصر کی عثمان بن عبد الملک کردی مصری متوفی ۷۳۸ھ نے شرح لکھی اور محمد بن احمد

اسنویؒ متوفی ۷۶۳ھ نے بھی شرح لکھی۔ (کشف الظنون ۱/۵۵۸)

مختصر ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ تومرت متوفی ۵۲۴ھ (مقدمہ دیباج ص ۱۷)

صحیح مسلم شریف کی سند

المسند الصحیح المختصر من السنن بنقل العدل عن العدل عن رسول اللہ ﷺ

(تحقیق اسمی الصحیحین و اسم جامع الترمذی للشیخ عبد الفتاح ابو غدہ ص ۲۳)

۱ فضل الرحمٰن المولود ۱۴/صفر ۱۳۶۶ھ، ۷/جنوری ۱۹۴۷ء بن القاری المفتی حفیظ الرحمٰن الاعظمی رحمہ اللہ شیخ الحدیث بمدرسہ مرقاۃ العلوم مئو یوپی انڈیا، ولادت ۱۳۴۵ھ ۱۹۲۶ء فراغت ۱۳۶۷ھ ۱۹۴۸ء مفتاح العلوم مئو وفات ۲/شوال ۱۴۳۰ھ مطابق ۲۲/ستمبر ۲۰۰۹ء (منگل)

۲ الشیخ عبد الجبار المئوی الاعظمی رحمہ اللہ مولود ۱۳۲۳ھ متوفی ۱۴۱۴ھ ۱۹۹۳ء

۳ المحدث الجلیل والعلامۃ الکبیر الشیخ حبیب الرحمٰن الاعظمی نور اللہ مرقدہ متوفی ۱۴۱۲ھ ۱۹۹۲ء

۴ شیخ الاسلام العلامۃ شبیر احمد العثمانی شارح صحیح مسلم رحمہ اللہ متوفی ۱۳۶۹ھ ۱۹۴۹ء

۵ شیخ الہند محمود الحسن الدیوبندی رحمہ اللہ متوفی ۱۳۳۹ھ ۱۹۲۰ء

۶ الشیخ محمد قاسم النانوتوی رحمہ اللہ متوفی ۱۲۹۷ھ ۱۸۷۹ء

والشیخ رشید احمد الکنکوہی رحمہ اللہ متوفی ۱۳۲۳ھ ۱۹۰۵ء

۷ الشیخ عبد الغنی المجددی الدھلوی ثم المدنی رحمہ اللہ متوفی ۱۲۹۶ھ

۸ الشیخ محمد اسحاق ابو سلیمان الدھلوی ثم المکی رحمہ اللہ متوفی ۱۲۶۲ھ

۹ الشیخ عبد العزیز المحدث الدھلوی رحمہ اللہ متوفی ۱۲۳۹ھ

۱۰ الشیخ الشاہ ولی اللہ المحدث الدھلوی رحمہ اللہ متوفی ۱۱۷۶ھ

۱۱ الشیخ ابو طاہر محمد عبد السمیع الکردی المدنی رحمہ اللہ متوفی ۱۱۶۳ھ

۱۲ والدہ الشیخ ابراھیم بن حسن الکردی الکورانی المدنی رحمہ اللہ متوفی ۱۱۰۱ھ

۱۳ الشیخ سلطان بن احمد بن سلامہ المزّاحی المصری الشافعی رحمہ اللہ متوفی ۱۰۷۵ھ ۱۶۶۴ء

۱۴ الشیخ احمد بن خلیل بن ابراھیم بن ناصر الدین السُبکی الشافعی رحمہ اللہ متوفی ۱۰۳۲ھ ۱۶۲۳ء

۱۵ الشیخ نجم الدین محمد بن احمد بن علی بن ابی بکر الغَیطی المصری الشافعی رحمہ اللہ م ۹۸۱ھ یا ۹۸۴ھ

۱۶ الشیخ زین الدین زکریا بن محمد بن احمد الانصاری الشافعی رحمہ اللہ متوفی ۹۲۶ھ

۱۷ الشیخ احمد بن حجر العسقلانی القاہری شارح البخاری رحمہ اللہ متوفی ۸۵۲ھ

۱۸ الشیخ محمد بن احمد بن ابراھیم بن عبداللہ بن ابی عمر المقدسی الصالحی الحنبلیؒ (لقبہ صلاح الدین) م ۷۸۰ھ

۱۹ علی بن احمد بن عبدالواحد المقدسی الحنبلی ۔ ابن البخاری رحمہ اللہ متوفی ۶۹۰ھ

۲۰ مؤید بن محمد بن علی بن حسن بن محمد النیسابوری الطّوسی رحمہ اللہ متوفی ۶۱۷ھ

۲۱ الشیخ محمد بن الفضل بن احمد بن محمد بن احمد الصاعدی الفُراوی النیسابوری الشافعیؒ فقیہ الحرم م ۵۰۳ھ

۲۲ الشیخ الامام ابوالحسین عبدالغافر بن محمد الفارسی الفسَوی النیسابوری رحمہ اللہ متوفی ۴۴۸ھ

۲۳ الشیخ ابواحمد محمد بن عیسی بن محمد بن عبدالرحمٰن الجُلودی [1] النیسابوری السفیانی [2] متوفی ۳۶۸ھ

۲۴ الشیخ ابواسحاق ابراھیم بن محمد بن سفیان الفقیہ الزاھد المجتھد النیسابوری الحنفی رحمہ اللہ متوفی ۳۰۸ھ

۲۵ الشیخ الامام ابوالحسین مسلم بن الحجاج القشیری النیسابوری رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ

ولد ۲۰۶ھ او ۲۰۲ھ او ۲۰۴ھ وتوفی ۲۶۱ھ

رحمهم اللّٰه رحمةً واسعةً و أدخلَهم جناتِ النّعيم و

جمعَنا معهم برحمتِه وفضله و كرمِه وهو خير الرحمين

---

[1] جِلد کی جمع جُلود کی طرف نسبت ہے، چمڑے والوں کی گلی میں رہا کرتے تھے.(عجالۂ نافعہ) ، كثير من الرواة يقولونه بالضم و الفتح هو الصحيح وقال السمعانى والصواب ضمه . (فوائد جامعہ ۴۶۹)

[2] سفیان ثوری کے مذہب پر تھے اسلئے سفیانی کہلاتے ہیں. (فوائد جامعہ ۴۶۹)

حضرت مولانا عبدالجبار صاحب مئوی رحمہ اللہ تعالی

ولادت ۱۳۲۳ھ تقریبا وفات ۱۴۱۴ھ عمر شریف ۹۱ سال تقریبا

نام ونسب: عبدالجبار بن رحمۃ اللہ بن عبدالصمد بن محمد طاہر بن میانجی سجاول بن عیسی .

ولادت: مولانا کی ولادت مئوناتھ بھنجن میں محلّہ باغیچہ میں تقریبا ۱۳۲۳ھ میں ہوئی، بعد میں وہاں سے منتقل ہوکر ملک ٹولہ آگئے اور آخر تک وہیں رہے .

تعلیم وتربیت: مولانا نے غالبا ابتداءً دارالعلوم مئو میں تعلیم شروع کی، جہاں محدث کبیر علامۂ جلیل مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی نوراللہ مرقدہ ۱۳۴۱ھ سے مدرس ہوگئے تھے، پھر ۱۳۴۴ھ میں دارالعلوم چھوڑ کر مظہر العلوم بنارس میں مدرس ہوگئے تو مولانا عبدالجبار جو آپ کے فدائی شاگرد تھے اور اخیر تک رہے وہ بھی آپ کے ساتھ بنارس چلے گئے، وہاں مولانا اعظمیؒ سے پڑھتے رہے اور اعلی استعداد کے مالک بنے، پھر دارالعلوم مئو سے فراغت حاصل کی اور مئو ہی میں گھر پر کسب معاش میں مشغول ہوگئے .

ایک واسطہ سے مولانا میاں نذیر حسین دہلوی کے شاگرد :

مولانا عبدالجبار صاحبؒ نے ابتداء میں اپنے محلّہ باغیچہ میں مولانا عبداللطیف صاحبؒ م ۱۳۷۳ھ سے علم حاصل کیا، مولانا عبداللطیف صاحب غیر مقلد تھے اور دلی میں مولانا نذیر حسین دہلویؒ سے علم حاصل کیا تھا، یہ مولانا نذیر حسین دہلویؒ مشہور غیر مقلد عالم تھے، شاہ محمد اسحاق دہلویؒ متوفی ۱۲۶۲ھ کے شاگرد تھے لیکن غیر مقلد ہوگئے تھے، ان کی وفات ۱۳۲۰ھ میں

دہلی میں ہوئی۔ (نزہۃ الخواطر ۸/۴۹۷)

اسلئے مولانا عبدالجبار صاحبؒ ایک واسطہ سے میاں سید نذیر حسین کے شاگرد ہوئے، (حدیث شریف کی اجازت حاصل ہونا معلوم نہیں)۔

درس وتدریس: کچھ سالوں تک گھر پر ہی کچھ طالبعلموں کو بلاکر پڑھایا کرتے تھے، محلّہ باغیچہ میں آپ کے گھر پر مولانا رشید احمد صاحب مدظلہ صاحبزادہ حضرت محدث اعظمیؒ نے آپ سے فارسی پڑھی اور مولانا محمد صاحب برادر خورد حضرت محدث اعظمیؒ نے آپ سے عربی کی کتابیں پڑھیں۔

مدرسہ مفتاح العلوم میں: کچھ سالوں کے بعد درس وتدریس کا باقاعدہ سلسلہ مفتاح العلوم مئو سے شروع کیا اور تیس (۳۰) سال سے زائد تک مسندِ درس وتدریس کو زینت بخشی، اس طویل مدت میں آپنے درس نظامی میں رائج بیشتر فنون کی کتابیں نہایت کامیابی اور تحقیق سے پڑھائیں اور تشنگانِ علوم کی بڑی تعداد آپ سے سیراب اور فیض یاب ہوئی، یہ مدرسہ کے شباب کا زمانہ تھا، بڑے مولانا محدث کبیر علامۂ جلیل حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی صاحبؒ، کامیاب مناظر حضرت مولانا عبد اللطیف نعمانیؒ اور حضرت مولانا ایوب صاحب اعظمیؒ (فاضل دارالعلوم دیوبند، تلمیذ علامہ کشمیریؒ) کی شہرت کی وجہ سے طلبہ دور دور سے آتے تھے اور فیضیاب ہوتے تھے۔

مفتاح العلوم سے علیحدگی: ۱۳۹۵ھ مطابق ۱۹۷۵ء میں جب کہ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمیؒ آپ کے مقتدا و پیشوا حالات سے مجبور ہوکر اس مدرسہ سے الگ ہوگئے تھے، مولانا عبدالجبار صاحبؒ کے ساتھ بھی بعض طلبہ نے بڑی گستاخی کی، کتاب چھین لی تاکہ سبق نہ پڑھاسکیں، اس وقت آپ بھی مفتاح العلوم سے الگ ہوگئے۔

مدرسہ مظہر العلوم بنارس میں: پھر شوال ۱۳۹۶ھ مطابق اکتوبر ۱۹۷۶ء میں آپ کو مظہر العلوم بنارس میں بلایا گیا، ساتھ میں مولانا نعمت اللہ اعظمی مدظلہ مدرس حدیث دار العلوم دیوبند بھی تھے، یہ بھی مفتاح العلوم سے الگ ہوکر مظہر العلوم میں مدرس ہوئے، مولانا نعمت اللہ صاحب اعظمی بخاری جلد اول پڑھاتے تھے اور مولانا عبدالجبار صاحب بخاری جلد ثانی پڑھاتے تھے، پھر جب مولانا نعمت اللہ صاحب دار العلوم دیوبند بلالئے گئے تو دونوں جلدیں مولانا عبدالجبار صاحبؒ کے پاس آگئیں۔

وہاں اللہ تعالی نے آپ کو بہت عزت دی، اساتذہ، اور عام مسلمانوں میں بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے، وہاں سب لوگ آپ کو دادا سے یاد کرتے تھے۔

۱۸/شعبان ۱۴۰۵ھ ۹/مئی ۱۹۸۵ء میں آپ نے مظہر العلوم کو چھوڑا۔

مدرسہ مرقاۃ العلوم مئو میں: محدث اعظمیؒ نے مفتاح العلوم سے بادل ناخواستہ الگ ہونے کے بعد ایک ادارہ قائم کیا اس کا نام رکھا المعهد العالی للدراسات العلیا، جس کا مقصد تھا ذی استعداد نوجوان فاضل علماء کو حدیث وفقہ میں تخصص کرانا، لیکن خاطر خواہ طلبہ نہیں ملے تو اس کو مدرسہ مرقاۃ العلوم کے نام سے شروع کیا۔

مولانا عبدالجبار صاحب مظہر العلوم سے الگ ہونے کے بعد اس مدرسہ میں تعلیم دینے لگے، حدیث وفقہ اور تفسیر وعقائد کی کتابیں آپ کے ذمہ رہیں۔

آخر میں جب ضعف ولاغری کی وجہ سے چل کر نہیں آسکتے تھے تو رکشہ پر سوار ہوکر تشریف لاتے اور سبق پڑھاتے اور آخر تک پڑھاتے رہے۔

مولانا کے حج: مولانا سفر نہیں کرتے تھے، البتہ تین دفعہ حج کے سفر کئے:

(۱)۔ پہلی مرتبہ حضرت محدث اعظمیؒ کے ساتھ ۱۳۶۹ھ مطابق ۱۹۵۰ء میں۔

(۲)۔ دوسرا حج بھی ۱۳۷۱ھ مطابق ۱۹۵۲ء میں محدث اعظمیؒ کے ساتھ کیا .

(۳)۔ تیسرا حج ۱۹۸۳ء میں کیا .

وفات : آپ کا سانحۂ وفات ۱۷ ررجب ۱۴۱۴ھ مطابق ۳۱ ردسمبر ۱۹۹۳ء کو دوپہر میں سوا بارہ بجے عین جمعہ کی اذان کے وقت پیش آیا، عشاء کے بعد شاہی کٹرہ کے میدان میں نماز جنازہ پڑھی گئی، مجمع بہت بڑا تھا، اطراف سے بھی بہت سے لوگ شریک ہوئے، انا للہ وانا الیہ راجعون .

محدث اعظمیؒ آپ کے شیخ و محبوب کا وصال ۱۰ ررمضان ۱۴۱۲ھ مطابق ۱۶ رمارچ ۱۹۹۲ء کو ہوا تھا، اس کے بعد سے آپ بجھے بجھے اور خود فراموشی کی کیفیت میں رہا کرتے تھے، پونے دو سال اس طرح گزرے پھر اللہ تعالےٰ نے یہاں سے اٹھا کر محبوب استاذ کے ساتھ ملا دیا اور اپنے استاذ کی بغل میں آسودۂ خواب ہوگئے. رحمہ اللہ رحمۃ واسعہ

طرزِ تدریس :حضرت مولانا عبدالجبار صاحبؒ نہایت ماہر، مشّاق اور باکمال استاذ تھے، تدریسی صلاحیت آپ کے اندر بدرجۂ کمال موجود تھی، افہام و تفہیم کی صلاحیت ان کو اللہ تعالیٰ نے بھرپور دی تھی، جو کتاب پڑھاتے اسکا حق ادا کردیتے گویا گھول کر پلا دیتے، اور ایسے دل نشین انداز میں سمجھاتے کہ ہر قسم کے طلبہ آسانی سے سمجھ جاتے، عبارت کے ترجمہ اور اس کے مفہوم کو خوب اچھی طرح سمجھاتے، لمبی چوڑی تقریر نہیں کرتے، مصنفؒ کا مقصد اچھی طرح سمجھا دیتے اور کتاب حل کردیتے، بڑی بڑی کتابیں بھی پڑھاتے جیسے صحیح مسلم، دیوانِ حماسہ، دیوانِ متنبّی، مختصر المعانی، شرح عقائد وغیرہ اور چھوٹی کتابیں بھی جیسے علم الصیغہ، امین الصیغہ وغیرہ اور سبق سنتے بھی تھے اور سبق یاد نہ ہونے پر مارتے بھی تھے، لیکن ایسے انبساط اور خوشدلی کے ساتھ کہ طلبہ اس سے ناراض اور کبیدہ خاطر نہ ہوتے.

اخلاق و عادات: آپ نہایت بلند اخلاق کے حامل تھے، ہر ایک سے خندہ پیشانی کے ساتھ ملتے اور عفو و درگزر سے کام لیتے، جنھوں نے آپ کو اذیت پہنچائی وہ بھی اپنے کام سے آتے تو انکے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آتے گویا کچھ ہوا ہی نہیں، حلم و وقار سے آراستہ تھے، سادگی کے ساتھ بے تکلف زندگی گزارتے، تواضع و انکساری کا پیکر تھے، زیادہ تر خاموش رہتے، کچھ پوچھا جاتا تو مختصر جواب دیتے، زندگی میں بہت احتیاط تھی، وقت کے بہت پابند تھے، مطالعہ بہت استغراق کے ساتھ کرتے، ذکر اللہ اور تلاوت قرآن کے عادی تھے، صبر و شکر کی صفت سے آراستہ تھے، غیبت اور شکوہ و شکایت سے ہمیشہ پرہیز کرتے، نماز تکبیرۂ اولی کے ساتھ دل لگا کر خشوع خضوع کے ساتھ پڑھتے جیسے زندگی کے آخری نماز ہو.

علمی خدمات: علامہ اعظمیؒ کے ساتھ ان کے تحقیقی کاموں میں مدد کرتے تھے جیسے کتاب الزہد والرقائق لابن المبارک اور کشف الاستار عن زوائد البز ار وغیرہ کی تحقیق و تعلیق میں مدد کی، اس کے علاوہ چند تالیفات بھی ہیں :

تالیفات: (۱)۔ ''ہندوستان کی عربی شاعری میں عجمیت'' پر ایک نظر :

مسلم یونیورسٹی علی گڈھ کے عربی ڈپارٹمنٹ کے لکچرار ڈاکٹر حامد علی خاں نے ایک مضمون شائع کیا جس کا عنوان تھا (ہندوستان کی عربی شاعری میں عجمیت)، اس مضمون میں متعدد فروگزاشتیں تھیں، مولانا عبدالجبار مئویؒ نے ان کا تعاقب کیا اور ان کے اعتراضات کا جواب دیا، یہ مضمون معارف اعظم گڈھ میں جون ۱۹۷۲ء کے شمارے میں شائع ہوا.

اس مضمون سے حضرت مولاناؒ کی مہارت اور بصیرت روز روشن کی طرح عیاں ہوتی ہے.

(۲)۔ **التصویبات لما فی حواشی البخاری من التصحیفات** :

صحیح بخاری کے حواشی میں جو غلطیاں کاتب سے ہوئی ہیں ان کو درست فرمایا ہے، یہ

کام حضرت مولانا نے مظہر العلوم بنارس میں تدریس کے دوران انجام دیا ہے، پہلے صرف بخاری جلد ثانی پڑھاتے تھے اسلئے پہلے اس پر کام کیا، پھر جلد اول پر کام کیا، بعد میں یہ جلد بھی پڑھائی جیسا کہ پہلے گزرا، اس پورے کام میں تین سال کا عرصہ لگا، ربیع الاول ۱۴۱۰ھ میں اس کام سے فارغ ہوئے، چار ہزار ایک سو (۴۱۰۰) غلطیوں کی تصحیح کی.

(۳)۔ باکورات : ترجمہ منثورات من ادب العرب .

منثورات من ادب العرب حضرت مولانا سید محمد رابع ندوی مدظلہ سرپرست دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کی تالیف ہے، جو بہت سے مدرسوں میں داخل نصاب ہے اور الٰہ آباد بورڈ کے نصاب میں بھی داخل ہے اس میں کچھ مقامات مشکل ہیں، طلبہ اور بعض مدرسین نے آپ سے اسکو حل کرنے کی درخواست کی تو آپنے پہلے اسکا ترجمہ لکھا جو باکورات کے نام سے طبع ہوا، یہ کام جامعہ مظہر العلوم بنارس میں قیام کے دوران ۱۴۰۴ھ مطابق ۱۹۸۳ء میں انجام دیا.

(۴)۔ دلیل المنثورات : پھر دلیل المنثورات کے نام سے ایک کتاب لکھی جس میں اس کے مشکل جملوں اور الفاظ کی لغوی، نحوی، اور صرفی تحقیق وتشریح کی، یہ کام مرقاۃ العلوم مئو میں تدریس کے دوران انجام دیا، ذی الحجہ ۱۴۱۱ھ میں یہ کام پورا ہوا.

(۵)۔ ایثار آخرت: پھر آخر میں کتاب الزہد والرقائق لابن المبارک کا ترجمہ کیا اور اس کا نام رکھا ایثار آخرت، اس کام سے ۴/ شوال ۱۴۱۱ھ کو فارغ ہوئے.

رمضان ۱۴۱۲ھ مطابق ۱۶/ مارچ ۱۹۹۲ء میں محدث اعظمی مولانا حبیب الرحمٰن صاحب کا وصال ہوا اسکے بعد مولانا بجھے بجھے اور افسردہ نڈھال رہے، پونے دو سال کے بعد ۱۷/ رجب ۱۴۱۴ھ مطابق ۳۱/ دسمبر ۱۹۹۳ء کو محبوب حقیقی سے جا ملے، ادخلہ اللہ الجنۃ دار السلام بفضلہ و منہ و کرمہ.

تفصیل کیلئے دیکھئے آپ کی سوانح ''پیکر مہر ووفا'' مؤلفہ مولانا ڈاکٹر مسعود احمد اعظمی زید مجدہ

میں نے حضرت مولاناؒ سے صحیح مسلم، دیوان حماسہ، دیوان متنبّی، مقامات حریری، مختصر المعانی وغیرہ پڑھی، میرے ساتھ بڑی شفقت فرماتے تھے، جزاہ اللہ خیرا.

بعد میں میرے چھوٹے بھائی نے بھی پڑھا تو ان کے سامنے مجھے بطور مثال کے پیش فرماتے تھے.

محدث کبیر علامۂ جلیل مولانا حبیب الرحمٰن اعظمیؒ امیر الہند

بڑے مولانا

ولادت: ۱۳۱۹ھ ۱۹۰۱ء وفات: رمضان ۱۴۱۲ھ ۱۹۹۲ء

موصوف ۱۳۱۹ھ ۱۹۰۱ء میں مئوناتھ بھنجن [۱] ضلع اعظم گڈھ میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم مقامی علماء سے حاصل کی، آپ کے والد مولانا محمد صابر صاحب متوفی ۱۳۶۵ھ حضرت تھانویؒ کے مرید انتہائی متشرع متقی، زاہد و عابد، تہجد گزار، خوش اخلاق، مہمان نواز، بے نفس آدمی تھے، قرآن پاک کی تلاوت کثرت سے کرتے تھے، تقریبا ۲۶ سال تک محلّہ کی مسجد میں لوجہ اللہ بچوں کو تعلیم دیتے رہے، مولانا اعظمیؒ ایسے والد کے زیر سایہ ۴۶ سال تک علم کے میدان میں پروان چڑھے، زیادہ تر علم مولانا عبد الغفار صاحب سے حاصل کیا جو حضرت گنگوہیؒ کے خاص شاگرد تھے، ادب کی ساری کتابیں اور دیگر فنون کی کتابیں بھی ان سے پڑھیں، آخر میں ترمذی شریف بھی پڑھی، مولانا عبد الغفار صاحب کا ۱۳۴۱ھ میں انتقال ہوا، مئو کے بڑے علماء میں سے تھے، گورکھپور اور مظہر العلوم بنارس میں بھی مدرس رہے، مولانا

---

[۱] مئوناتھ بھنجن ضلع اعظم گڈھ کا سب سے بڑا قصبہ ہے، اب مستقل ضلع ہوگیا ہے، اس بستی میں تقریبا تین سو (۳۰۰) مساجد اور سات (۷) دار العلوم ہیں.

اعظمیؒ بھی ان کے ساتھ تحصیل علم کیلئے ان جگہوں پر گئے، مظہر العلوم بنارس ہی سے آپ نے ۱۹۱۸ء میں ملا کا، مارچ ۱۹۱۹ء میں ملا فاضل کا امتحان دیا اور اعلی کامیابی حاصل کی.

دار العلوم دیوبند میں: شوال ۱۳۳۷ھ جولائی ۱۹۱۹ء میں دار العلوم دیوبند میں پہلی بار داخلہ لیا، امتحان داخلہ میں اعلی وامتیازی نمبر حاصل کیا، تعلیمی سلسلہ جاری تھا کہ فصلی بیماری پھوٹ پڑی جس کی زد میں آپ بھی آگئے اسلئے اواخر صفر میں گھر چلے آئے.

مظہر العلوم بنارس میں مدرس: جمادی الاولی ۱۳۳۸ھ فروری ۱۹۲۰ء سے مدرسہ مظہر العلوم بنارس میں مدرس ہوگئے.

دوبارہ دیوبند میں: پھر دوبارہ شوال ۱۳۳۹ھ جون ۱۹۲۱ء میں دار العلوم میں داخلہ لیا اور دورۂ حدیث میں شریک ہوئے، علامہ انور شاہ کشمیریؒ سے ترمذی شریف پڑھی اور خوب استفادہ کیا، علامہ شبیر احمد عثمانیؒ سے مسلم شریف اور میاں اصغر حسین صاحب سے ابوداود شریف پڑھی، علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی بہت تعریف کیا کرتے تھے.

اس سال بھی بخار میں مبتلا ہوگئے اور ترک موالات کی تحریک کی وجہ سے ہنگامہ بھی تھا اسلئے والد صاحب کے حکم کی وجہ سے ربیع الاول ۱۳۴۰ھ میں گھر آگئے.

دار العلوم مئو میں دورہ کی تکمیل: صحت یابی کے بعد دار العلوم مئو میں داخل ہوگئے، اس وقت تک حضرت شیخ الہندؒ کے شاگرد مولانا کریم بخش سنبھلیؒ دار العلوم تشریف لاچکے تھے اور ان سے صرف ایک طالب علم مولوی عبد المجید صاحب دورہ پڑھ رہے تھے ان کے ساتھ شعبان ۱۳۴۰ھ اپریل ۱۹۲۲ء میں دورہ سے فارغ ہوئے، صحاح ستہ مولانا کریم بخش صاحب سے پڑھیں، معقولات میں صدرا، شمس بازغہ اور قاضی حمد اللہ وغیرہ بھی مولانا کریم بخش صاحب سے دورہ کے بعد پڑھیں.

دار العلوم مئو میں مدرس: شوال ۱۳۴۰ھ ہی سے دار العلوم میں مدرس ہوگئے اور اونچی کتابوں کا درس دیا، اسی زمانہ میں مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہ (رحمہ اللہ تعالی) نے آپ سے کئی کتابیں پڑھیں، مولانا محمد حسین بہاری مرحوم استاذ دار العلوم دیوبند اور دیگر مشہور علماء کرام نے بھی اس وقت آپ سے پڑھا.

مظہر العلوم میں صدر مدرس: پھر دار العلوم مئو کو کسی سبب سے آپ نے چھوڑ دیا اور ۱۳۴۳ھ میں مدرسہ مظہر العلوم بنارس کی صدر مدرسی قبول کرلی اور ۱۳۴۷ھ تک وہاں رہے.

مفتاح العلوم مئو میں: شوال ۱۳۴۷ھ ۱۹۲۹ء میں آپ کو باصرار مفتاح العلوم مئو کا شیخ الحدیث اور صدر مدرس بنا کر مئو روک لیا گیا، یہیں سے مفتاح العلوم کی نشأۃ ثانیہ ہوئی اور بہت جلد ایک جامعہ بن کر اطراف عالم میں مشہور ہوا.

۱۳۴۷ھ سے ۱۳۶۹ھ تک یہاں آپ شیخ الحدیث رہے، عام طور سے آپ کے یہاں بخاری اور ترمذی ہوا کرتی تھی اور مولانا عبد اللطیف صاحب نعمانیؒ کے پاس مسلم اور ابوداود، ۱۳۲۹ھ میں آپ نے اپنی تصنیفی وتالیفی مشغولیتوں کی وجہ سے تدریس سے سبکدوشی اختیار کرلی، صرف شوری کے ممبر اور سرپرست رہے، اور کسی کسی سال بخاری شریف کا کچھ حصہ پڑھا دیتے تھے، کبھی کوئی اور کتاب بھی لیکن بلا معاوضہ.

مفتاح العلوم کی نظامت: ۱۳۶۶ھ سے آپ کے سر پر مدرسہ کی نظامت کا بار بھی آگیا تھا، آپ نے ۱۳۷۱ھ تک یہ خدمت بھی انجام دی اور اس دوران مدرسہ کی تعمیرات کی طرف خصوصی توجہ کی اور بہت سے کمرے تعمیر کرادیئے.

اسمبلی کی ممبری: ۱۹۵۲ء میں جواہر لال کے اصرار پر یوپی اسمبلی کی ممبری کے لئے نامزد ہوئے اور بہت بڑی اکثریت سے کامیاب ہوئے جب کہ اپنے حلقۂ انتخاب میں ایک منٹ

کیلئے کہیں نہیں گئے، ۱۹۵۷ء تک ممبر رہے، اسلئے لکھنؤ رہنا ہوتا تھا، اس زمانہ میں دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں اعزازی طور پر بخاری شریف پڑھاتے تھے، کچھ دنوں دارالمبلغین لکھنؤ میں بھی درس دیا، مولانا عبدالشکور لکھنویؒ امام اہل سنت سے آپ کے گہرے روابط تھے.

جمعیۃ العلماء ہند اور مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند سے تعلق : آپ ۱۹۵۳ء سے جمعیۃ العلماء ہند کی ورکنگ کمیٹی کے رکن مقرر کیے گئے، اور مجلس شوری دارالعلوم دیوبند کے بھی، اور تاحیات اس پر باقی رہے، بسا اوقات آپ ہی کے زیر صدارت مجلس شوری منعقد ہوئی اور آپ کی رائے وقیع سمجھی جاتی، جمعیۃ العلماء کی کانفرنسوں اور جلسوں میں برابر شریک ہوا کرتے تھے.

۱۹۴۵ء میں حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ اور مہتمم دارالعلوم دیوبند قاری محمد طیب صاحبؒ دیوبند سے مئو تشریف لائے اور مولانا اعظمیؒ کے سامنے دارالعلوم کی صدارت افتاء کا منصب پیش کیا لیکن مئو کے لوگ اس پر راضی نہیں ہوئے کہ آپ مئو چھوڑیں، اسلئے معذرت کردی، علامہ ابراہیم بلیاویؒ کے انتقال کے بعد دارالعلوم کی صدارت تدریس بھی پیش کی گئی لیکن اس سے بھی آپ نے معذرت کردی.

دوبارہ مفتاح العلوم میں : یکم ذی الحجہ ۱۳۹۲ھ جنوری ۱۹۷۳ء میں جب مولانا عبد اللطیف نعمانیؒ مہتمم وصدر المدرسین مفتاح العلوم کا انتقال ہوگیا تو دوبارہ آپ کو مفتاح العلوم کا مہتمم اور شیخ الحدیث بنایا گیا، چندسال تک آپ نے مفتاح العلوم کی لوجہ اللہ خدمت کی پھر بعض وجوہ سے جامعہ سے الگ ہوگئے.

المعہد العالی اور مرقاۃ العلوم کی تاسیس: مفتاح العلوم سے الگ ہوکر آپ نے ایک ادارہ المعہد العالی للدراسات العلیا کے نام سے قائم کیا، جس کا مقصد یہ تھا کہ مدارس

کے فضلاء کو فقہ وحدیث میں ماہر بنایا جائے، لیکن خاطر خواہ طلبہ نہ ملنے کی وجہ سے مدرسہ مرقاۃ العلوم شروع فرمایا، جس میں ابتداء سے تعلیم کا انتظام کیا، آخر تک آپ ہی اس ادارہ کے مہتمم اور ذمہ دار رہے، چندسال دورۂ حدیث کی تعلیم بھی دی اور اسی ادارہ کے احاطہ میں آسودۂ خواب ہیں.

امارت ہند : ۲۸ر صفر ۱۴۰۷ھ ۲ر نومبر ۱۹۸۶ء کو نئی دہلی میں کل ہند اجتماع کے اندر بالاتفاق امیر الہند اور امیر شریعت مقرر ہوئے اور آخر تک اس منصب پر فائز رہے.

دیگر کمالات : آپ ایک عظیم مناظر تھے، رضاخانی اور غیر مقلدین علماء سے بارہا مناظرے کی نوبت آئی اور آپ ہی فاتح اور کامیاب ہوئے، ادری ضلع مئو میں ۲۴/۲۵/۲۶ر جمادی الاخری ۱۳۵۲ھ ۱۵/۱۶/۱۷/۱۸ر اکتوبر ۱۹۳۳ء کو مولوی حشمت علی، مولوی نعیم الدین سے مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی، مولانا عبداللطیف نعمانی، مولانا محمد منظور نعمانی صاحبان کا مناظرہ ہوا، رضاخانی علماء شکست کھا کر چھپ کر بھاگ نکلے.

آپ کا حافظہ بہت قوی تھا، کتابیں ازبر تھیں، کتب بینی محبوب مشغلہ تھا، جس شہر میں جاتے وہاں کے کتب خانوں سے خوب استفادہ کرتے، استحضار کا یہ عالم تھا کہ عرصہ کی دیکھی ہوئی کتابوں کا حوالہ بقید صفحات وسطور پیش کردیا کرتے تھے.

آپ ایک جلیل القدر مفسر، محدث، فقیہ، متکلم، مناظر، مبلغ، واعظ، خطیب، ادیب، شاعر، مؤرخ، محقق، مدرس، مؤلف ومصنف، اور اسماء رجال کے زبردست عالم تھے، تدریس کے زمانہ میں اور بعد میں بھی برابر تصنیف وتالیف کا کام کرتے رہے، تصنیفی خدمات پر آپ کو حکومت ہند نے ایوارڈ اور اعزازی انعام بھی دیا.

آپ کے بہت سے مسودات کہنگی اور کرم خوردگی کی وجہ سے طبع نہ ہوسکے اور بہت

سے مسودات محفوظ ہیں جن کی اشاعت کی کوشش کی جارہی ہے، اس مقصد کیلئے ایک سہ ماہی مجلّہ المآثر کے نام سے جاری کیا گیا ہے.

بیعت وخلافت: طالبعلمی کے زمانہ میں حضرت تھانویؒ سے بیعت ہوئے تھے، اور حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ کے ایک خلیفہ قاری منیر الدین صاحب نے آپ کو اجازت و خلافت بھی دی، مولانا اعظمیؒ لوگوں کو بیعت کرتے تھے، مالیگاؤں اور ناگپور میں بہت سے لوگ آپ سے بیعت تھے. (مجلّہ ترجمان الاسلام خصوصی اشاعت ص ۲۳۴)

مولانا وصی اللہ فتحپوریؒ نے بھی آپ کو اجازت دی تھی .

مطبوعہ تالیفات : ۱۔نصرۃ الحدیث ۲۔رکعات تراویح ۳۔رکعات تراویح مذیل بردانوار المصابیح ۴۔اعلام مرفوعہ ۵۔ازہار مربوعہ برد آثار متبوعہ ۲ جلدوں میں ۶۔اعیان الحجاج ۲ جلدوں میں ۷۔شارع حقیقی ۸۔احکام النذر لاولیاء اللہ وتفسیر ما اہل بہ لغیر اللہ ۹۔تحقیق اہل حدیث ۱۰۔دفع المجادلہ عن آیۃ المباہلہ ۱۱۔ارشاد الثقلین فی جواب اتحاد المرفقین ۱۲۔التنقید السدید علی التفسیر الجدید ۱۳۔تنبیہ الکاذبین ۱۴۔ابطال عزاداری ۱۵۔تعزیہ داری سنی نقطۂ نظر سے ۱۶۔رہبر حجاج ودلیل الحجاج ۱۷۔اہل دل کی دل آویز باتیں، ۱۸۔دست کار اہل شرف ۱۹۔الالبانی شذوذہ واخطاؤہ ۲۰۔تعقیبات علی تعلیقات احمد محمد شاکر .

محقق کتابیں :آپ نے بہت سی نایاب کتابوں کو تصحیح اور تعلیق وتحشیہ کے بعد شائع کرایا جو نہایت عظیم اور اہم اور ذمہ داری کا کام ہے، بسا اوقات مستقل تصنیف سے بھی زیادہ مشکل ہوتا ہے، وہ کتابیں یہ ہیں:

۱۔انتقاء الترغیب والترھیب لابن حجرؒ ۲۔مسند حمیدی دو جلدوں میں ۳۔کتاب الزہد

الرقائق لابن المبارک ۴۔سنن سعید بن منصور دو جلدیں (ناقص) ۵۔المطالب العالیہ لابن حجر ۴ جلدوں میں ۶۔تلخیص خواتم جامع الاصول محمد طاہر پٹنی ۷۔مصنف عبد الرزاق گیارہ جلدوں میں ۸۔مجمع بحار الانوار محمد طاہر پٹنی ۹۔کشف الاستار عن زوائد مسند بزار، چار جلدیں ۱۰۔مصنف ابن ابی شیبہ، صرف چار جلدیں طبع ہوئی تھیں اکثر حصہ پر کام ہوگیا تھا ۱۱۔تحقیق حیاۃ الصحابہ ۱۲۔فتح المغیث للسخاوی ۱۳۔تکمیل الاذھان مولانا شاہ رفیع الدین ۱۴۔رسالۃ الاوائل للشیخ محمد سعید سنبل .

غیر مطبوعہ تالیفات : ۱۔الحاوی لرجال الطحاوی ۲۔الاتحاف السنیہ بذکر محدثی الحنفیہ ۳۔رد تحقیق الکلام ۴۔بہت سے فتاوی ۵۔عظمتِ صحابہ ۶۔کتاب الثقات لابن شاہین ۷۔الحُجَج القویہ ۸۔السیر الحثیث ۹۔التوصیۃ باسرار التسمیہ (عربی) ۱۰۔حدر اللثام عن وجہ القراءۃ خلف الامام ۱۱۔معجزات وکرامات ۱۲۔اسلام اور صنف نازک ۱۳۔کشف المعضلات فی رد حل المغلقات ۱۴۔القول المختار فی التزی بزی الکفار ۱۵۔الروض المجود فی تقدیم الرکبتین عند السجود ۱۶۔توطین الجائشۃ بشرح البناء بعائشۃ ۱۷۔تذکرۃ ادباء الہند (عربی).

اسفار :۱۹۵۰ء میں زیارت حرمین شریفین سے پہلی بار مشرف ہوئے، پھر بار ہا یہ سعادت حاصل ہوتی رہی، مصنف عبد الرزاق کی طباعت کے سلسلہ میں بیروت کا سفر ہوا تو حج و زیارت کے ساتھ دمشق، صیداء، بعلبک، لاذقیہ، اور دوسرے بلاد شام بھی جانا ہوا، بحرین کا بھی سفر کیا، یہ تمام اسفار علمی افادہ واستفادہ سے معمور تھے، رفقاء سفر ایسے واقعات سناتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر جگہ آپ کی علمی شان کا مظاہرہ ہوا.

تلامذہ: محدث جلیل کے تلامذہ کا شمار مشکل ہے، بڑے بڑے علماء آپ سے استفادہ کیا

کرتے تھے، خطوط کے ذریعہ اور مشافہۃً بھی، جنھوں نے باقاعدہ مدارس میں آپ سے پڑھا ان کا شمار بھی مشکل ہے، عرب کے بھی بہت سے مشایخ ہندوستان جا کر یا سفر کے دوران آپ سے حدیث کی کتابیں پڑھ کر اجازت لیتے تھے، ان کے نام مولانا محمد عثمان معروفی صاحبؒ نے اپنے مقالہ میں جمع کئے ہیں ۔

وفات : ۱۰؍رمضان المبارک ۱۴۱۲ھ بروز شنبہ مطابق ۱۷؍مارچ ۱۹۹۲ء عین افطار کے وقت (اس لحاظ سے ۱۱؍رمضان بھی کہہ سکتے ہیں) علم وتحقیق کا یہ آفتاب ہمیشہ کیلئے غروب ہوگیا اور مرقاۃ العلوم کی زمین میں روپوش ہوگیا، جنازہ میں اندازاً دو لاکھ مسلمانوں نے روزے کی حالت میں شرکت کی، جنازہ شہر کے باہر ریلوے کے میدان میں ہوا ۔

(یہ مضمون ندائے شاہی جون ۱۹۹۲ھ مقالہ مولانا محمد عثمان معروفی اور ترجمان الاسلام بنارس جولائی تا دسمبر ۱۹۹۲ء خصوصی اشاعت سے ماخوذ ہے، تفصیل کیلئے ترجمان الاسلام کی طرف رجوع کیا جائے)

(اب حضرتؒ کی سیرت حیاۃ ابوالمآثر کے نام سے دو ضخیم جلدوں
میں شائع ہوگئی ہے، مؤلفہ مولانا ڈاکٹر مسعود اعظمی زید مجدہ)

حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ

ولادت ۱۳۰۴ھ ۱۸۸۵ء   وفات صفر ۱۳۶۹ھ دسمبر ۱۹۴۹ء   عمر شریف ۶۴ سال

ولادت : ۷؍محرم ۱۳۰۴ھ مطابق ۱۸۸۵ء کو مولانا کی پیدائش بریلی کے علاقہ میں ہوئی، اس وقت آپ کے والد صاحب وہاں کے ڈپٹی انسپکٹر تھے، نام "فضل اللہ" رکھا گیا، لیکن دوسرا نام شبیر احمد تھا جو غالباً عشرۂ محرم میں پیدائش کی مناسبت سے رکھا گیا زیادہ مشہور ہوا۔

تعلیم وتربیت : ۱۳۱۲ھ میں دار العلوم دیوبند کے درجۂ قرآن کریم کے استاذ حافظ محمد

عظیم صاحب کے سامنے بسم اللہ ہوئی، قرآن مجید کے ساتھ اردو کی کچھ کتابیں بھی پڑھیں، ۱۳۱۴ھ میں منشی منظور احمد دیوبندی مدرس فارسی سے حساب سیکھا اور فارسی شروع کی، فارسی کی اوپر کی کتابیں مولانا محمد یٰسین صاحبؒ (والد ماجد مفتی محمد شفیع صاحبؒ) سے پڑھیں، ۱۳۱۹ھ میں دار العلوم میں عربی کی تعلیم شروع کی اور ۱۳۲۵ھ مطابق ۱۹۰۸ء میں دورۂ حدیث سے فارغ ہوئے، امتحان میں سب سے اعلی درجہ کی کامیابی حاصل کی ۔

تعلیم وتدریس : فراغت کے بعد چند ماہ دار العلوم میں درس دیا، پھر مدرسہ فتح پوری دہلی میں صدر مدرس ہو کر تشریف لے گئے ۔

دار العلوم دیوبند میں : شوال ۱۳۲۸ھ میں دار العلوم میں عُلیا کے مدرس مقرر ہوئے، اسی سال اپنا مکان وغیرہ بیچ کر حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کی ۔

مسلم شریف کا درس: ۱۳۳۳ھ مطابق ۱۹۱۵ء سے دار العلوم میں مسلم شریف کا درس دینا شروع کیا، آپ کے درس مسلم کو بہت شہرت حاصل ہوئی، یہ درس ۱۳۴۴ھ تک جاری رہا، اسی سال سلطان عبد العزیز بن سعود شاہ حجاز ونجد کی دعوت پر جمعیۃ العلماء ہند کی طرف سے نمائندہ بن کر حج کو تشریف لے گئے، وہاں عربی زبان میں فصاحت و بلاغت کے ساتھ زوردار تقریریں کیں، اگرچہ عربی میں تقریر وخطابت کی عادت نہیں تھی ۔

جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں : ذوالحجہ ۱۳۴۶ھ (۱۹۲۸ء) میں ڈابھیل تشریف لائے، علامہ انور شاہ کشمیریؒ جب دار العلوم دیوبند سے الگ ہوئے تو ان کے ساتھ کئی اساتذہ اور بہت سے طلبہ بھی الگ ہوئے، ان میں علامہ شبیر احمد عثمانیؒ بھی تھے، یہ حضرات جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل سملک گجرات تشریف لائے، ڈابھیل کا یہ مدرسہ ایک چھوٹا سا مدرسہ تھا ان حضرات کے آنے سے فوراً ایک بڑا جامعہ بن گیا ۔

علامہ شبیر احمد عثمانی یہاں مسلم شریف اور ترمذی کا درس دیتے رہے، ۱۳۵۲ھ میں علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے انتقال کے بعد جامعہ کے شیخ الحدیث بنائے گئے، اور ۱۳۵۸ھ تک مسلسل بخاری شریف کا درس دیتے رہے، ۱۳۵۹ھ میں ایک ماہ کیلئے آئے پھر ۱۳۶۲ھ میں تشریف لائے اور ۱۳۶۴ھ تک رہے، اسی دوران ۱۳۵۴ھ سے دارالعلوم دیوبند کے صدر مہتمم بھی رہے، ۱۳۶۲ھ میں اس عہدہ سے مستعفی ہوئے ۔

مولانا جمعیۃ العلماء ہند کے صف اول کے لوگوں میں تھے، حضرت شیخ الہندؒ جب مالٹا سے رہا ہوکر ۱۳۳۸ھ مطابق ۱۹۲۰ء میں تشریف لائے تو ان کے آخری لمحۂ حیات تک مولانا عثمانیؒ ہی انکی زبان وقلم تھے، شیخ الہندؒ کا انتقال ربیع الاول ۱۳۳۹ھ مطابق ۱۹۲۰ء میں ہوا ۔

جمعیۃ علماء ہند کے اجلاس وغیرہ میں جو خطبے اور پیغامات پڑھے گئے حضرت شیخ الہندؒ کی علالت اور غیر معمولی ضعف ونقاہت کی وجہ سے ان کے حکم سے مولانا عثمانیؒ کے قلم سے لکھے ہوئے تھے اور مولانا ہی ان کے پڑھنے والے ہوتے تھے ۔

ہندوستان کے تقسیم ہونے سے پہلے کانگریس کے ساتھ جمعیۃ کے تعاون کے مسئلہ پر جمعیۃ العلماء سے اختلاف ہوا، اس لئے اس سے نکل کر مسلم لیگ میں شامل ہوگئے ۔

۱۳۶۵ھ میں جمعیۃ علماء اسلام کے صدر منتخب ہوئے اور ملک کے طول وعرض میں دورے کئے، تقسیم ہند سے قبل ۸ر رمضان ۱۳۶۶ھ مطابق ۶ اگست ۱۹۴۷ء کو کراچی کیلئے روانہ ہوگئے، ۱۴ر اگست ۱۹۴۷ء کو جشن آزادی میں شرکت کی اور وہیں مقیم ہوگئے ۔

وفات : ۸ر دسمبر ۱۹۴۹ء کو بھاول پور کے وزیر اعظم کی درخواست پر جامعہ عباسیہ بھاول پور کے افتتاح کیلئے تشریف لے گئے، مختصر سی علالت کے بعد بھاول پور ہی میں ۲۱ر صفر ۱۳۶۹ھ مطابق ۱۳ر دسمبر ۱۹۴۹ء بروز سہ شنبہ (منگل) گیارہ بج کر چالیس منٹ پر یہ آفتاب علم وفضل غروب ہوگیا، عمر شریف ۶۴ سال سے کچھ زیادہ تھی، جنازہ کراچی لایا گیا اور اسلامیہ

کالج کے صحن میں دفن کیا گیا، وہیں سید سلیمان ندویؒ اور دوسرے کچھ بڑے لوگ بھی مدفون ہیں ، رحمہم اللہ تعالی .

فضائل وکمالات : علم وفہم اور فراست وتدبر کے لحاظ سے علامہ عثمانیؒ کا شمار ہندوستان کے چند مخصوص علماء میں ہوتا تھا، وہ زبان وقلم دونوں کے یکساں شہ سوار تھے، بلند پایہ ادیب اور بڑی سحر انگیز خطابت کے مالک تھے، انداز بیان اور نکتہ آفرینی کے لحاظ سے انکی تحریر وتقریر دونوں منفرد تھیں، ان کی فصیح وبلیغ عالمانہ تقریریں بڑے بڑے جلسوں میں عوام وخواص دونوں میں بڑی قدر کی نگاہ سے سنی جاتی تھیں، تفسیری فوائد گویا پرانی تفسیر کی کتابوں کا خلاصہ ہے اور باطل فرقوں کی تردید ہے، فتح الملہم شاہ ولی اللّٰہی مکتب فکر کے مطابق حدیث پاک کی منصفانہ شرح ہے، حدیث وفقہ کی تطبیق اور فقہ حنفی کی تائید دلائل صحیحہ کی روشنی میں پیش کی گئی ہے جو علماء دیوبند کا طرۂ امتیاز ہے .

تصنیفات وتالیفات : آپ نے بہت سے مفید مقالات اور رسالے تحریر فرمائے، مثلا: الاسلام، العقل والنقل، الدار الآخرۃ، اعجاز القرآن، الشہاب، معارف القرآن، تحقیق خطبۂ جمعہ، سجود الشمس، حجاب شرعی، خوارق عادات، الروح فی القرآن، قرآن میں تکرار کیوں ہے؟ ھدیۂ سنیہ وغیرہ .

لیکن آپکی تصنیفات میں حضرت شیخ الہندؒ کے ترجمہ پر تفسیری فوائد اور صحیح مسلم کی شرح فتح الملہم نے آپ کو علمی دنیا میں لازوال شہرت عطا کی، اور عالم اسلام کی مسلّم شخصیتوں نے ان کے حق میں تعریفی کلمات کہے .

تفسیری فوائد : حضرت شیخ الہندؒ نے قرآن کریم کا ترجمہ شروع کیا تھا، ۱۳۳۳ھ کے حج کے بعد گرفتار کئے گئے، تین سال سے زیادہ مالٹا کے جیل میں رہے، وہیں ترجمہ مکمل کیا، اسیری سے قبل چھ پارے ہوئے تھے، سورۂ بقرہ اور سورۂ نساء پر فوائد بھی لکھے، بقیہ فوائد علامہ

عثمانیؒ کے قلم سے ہیں، تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سارے فوائد مولانا نے قیام ڈابھیل کے زمانہ میں تحریر فرمائے ہیں، یہ تفسیری فوائد سورۂ یونس سے آخر قرآن تک ۱۳۴۸ھ سے ۱۳۵۰ھ تک کے عرصہ میں لکھے ہیں، سورۂ یونس کی آیت **فالیوم ننجیک ببدنک لتکون لمن خلفک آیة** کے فوائد میں لکھتے ہیں :جب بندہ یہ سطریں لکھ رہا ہے یوم عاشوراء ۱۳۴۸ھ ہے، اور ۹/ ذوالحجہ ۱۳۵۰ھ کو فوائد کی تکمیل ہوئی، اختتام پر لکھتے ہیں :

'' الٰہی! آج عرفہ کے مبارک دن اور وقوف بعرفات کے وقت کلام پاک کی ایک مختصر سی خدمت جو محض تیرے فضل واعانت سے اختتام پذیر ہوئی...'' الی آخرہ ..

۹/ ذی الحجہ ۱۳۵۰ھ دیوبند (آخری صفحہ)

مولانا انوار الحسن شیرکوٹیؒ حضرت علامہ عثمانیؒ کی سوانح (تجلیات عثمانی) میں لکھتے ہیں:

اب گیارہویں پارے سے پہلے کی تفسیر کا اندازہ بآسانی لگایا جاسکتا ہے کہ مولانا نے یہ تفسیر ۱۳۴۷ھ کے ابتدائی حصہ سے شروع کی ہوگی یا ۱۳۴۶ھ کے آخری حصہ سے، اس اثناء میں آں مفسر ڈابھیل میں مقیم تھے، مفسر نے سورۂ فرقان کی آیت **وھو الذی مرج البحرین، ھذا عذبٌ فرات وھذا ملح اجاج** (آیت:۵۳) کے فوائد میں قیام ڈابھیل کا تذکرہ بھی کیا ہے (تعطیلات میں دیوبند جانا آنا ہوتا رہتا تھا اسلئے آخر میں دیوبند لکھا ہے کما مر اسلئے کہ بالکل آخری حصہ دیوبند میں لکھا)

فتح الملہم : فتح الملہم بشرح صحیح مسلم کی پہلی جلد ۱۳۵۲ھ مطابق ۱۹۳۳ء میں طبع ہوئی، دوسری جلد ۱۳۵۴ھ مطابق ۱۹۳۵ء میں اور تیسری جلد ۱۳۵۷ھ مطابق ۱۹۳۸ء میں، یہ تمام مدت مولانا کے قیام ڈابھیل ہی کی ہے.

لیکن تصنیف کا سلسلہ بہت پہلے سے شروع تھا، مولانا انوار الحسن شیرکوٹی کی تحقیق کے مطابق حضرت شیخ الہندؒ کے سفر حجاز کے بعد جب مستقل طور پر مسلم کا درس آپ سے متعلق ہوا

اسی وقت سے اسکی تصنیف کا سلسلہ شروع فرمایا مگر جیسا کہ مفتی عتیق الرحمٰن عثمانیؒ نے لکھا ہے: بعض موانع کی وجہ سے یہ کام تسلسل کے ساتھ جاری نہیں رہ سکا. (مقدمۂ تقریر بخاری علامہ عثمانی طبع ڈابھیل)

قیام ڈابھیل کے زمانہ میں بھی اس کی تالیف کا سلسلہ اخیر تک جاری رہا، جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کی متعدد رودادوں میں اس کا تذکرہ ملتا ہے، ۱۳۵۱ھ، ۱۳۵۳ھ، ۱۳۵۴ھ اور ۱۳۵۵ھ کی رودادوں میں ہے کہ علامہ عثمانیؒ پورے انہماک کے ساتھ مشغلۂ تدریس اور فتح الملہم کی تالیف میں مشغول ہیں. اھ

تین جلدوں میں کتاب النکاح تک طبع ہوئی، کتاب الرضاع سے مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ نے آخر تک مکمل کیا.

تقریر بخاری : علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے انتقال کے بعد ۱۳۵۲ھ میں جب پہلی بار بخاری شریف پڑھائی تو اس تقریر کو جامعہ کے فاضل مولانا عبدالوحید صدیقی فتح پوری نے قلم بند کیا، بعد میں علامہ عثمانیؒ نے اس پر نظر ثانی بھی کی، وہ تقریر جامعہ ڈابھیل سے محدث جلیل اور علامہ کبیر مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمیؒ کی تعدیل وتصحیح اور تہذیب کے ساتھ ایک جلد میں طبع ہوئی کتاب العلم کے آخر تک، اسی تقریر کو کافی اضافہ کے ساتھ پاکستان سے مولانا قاضی عبد الرحمٰن صاحب نے شائع کیا ہے اور اس کا نام رکھا ہے فضل الباری .

(تفصیل کیلئے دیکھئے تجلیاتِ عثمانی، تاریخ دار العلوم دیوبند اور تاریخ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل سملک)

شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ

۱۲۶۸ھ ۱۸۵۱ء ۱۳۳۹ھ ۱۹۲۰ء

نام ونسب: نام محمود حسن، والد صاحب کا نام ذوالفقار علی، دادا کا نام شیخ فتح علی.

ولادت: حضرت شیخ الہندؒ کی ولادت ۱۲۶۸ھ مطابق ۱۸۵۱ء میں بریلی میں ہوئی جب کہ ان کے والد صاحب مولانا ذوالفقار علیؒ بوجہ ملازمت وہاں مقیم تھے ۔

تعلیم: چھ سال کی عمر میں تعلیم شروع کی، میانجی منگلوری سے قرآن پاک کا اکثر حصہ پڑھا، میانجی مولوی عبداللطیف صاحبؒ سے کچھ قرآن اور فارسی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں، اپنے چچا مولوی مہتاب علی سے فارسی کی بقیہ کتابیں اور ابتدائی عربی کی کتابیں پڑھیں ۔

قیام دارالعلوم دیوبند: محرم ۱۲۸۳ھ مطابق ۱۸۶۷ء میں جب کہ آپ کی عمر پندرہ برس کی تھی عربی مدرسہ کے نام سے دارالعلوم کا قیام عمل میں آیا، پہلے مدرس ملا محمود دیوبندی متوفی ۱۳۰۴ھ مقرر ہوئے، مولانا محمود الحسن صاحب بھی مدرسہ کے طلبۂ سابقین اولین میں شامل ہوگئے، ۱۲۸۴ھ میں کنز الدقائق، میبذی، مختصر المعانی وغیرہ پڑھیں، ۸۵ھ میں ہدایہ، مشکوۃ شریف، مقامات وغیرہ کا امتحان دیا، ۱۲۸۶ھ میں صحاح ستہ اور بعض دیگر کتب اپنے فخر روزگار استاد مولانا محمد قاسم نانوتویؒ م ۱۲۹۷ھ سے شروع کیں، مولانا نانوتویؒ اس وقت میرٹھ میں ایک مطبع میں تصحیح کتب کا کام کر رہے تھے، پھر مطبع دہلی میں منتقل ہوا تو دہلی میں مقیم ہوئے، کبھی دیوبند اور نانوتہ میں مقیم رہتے، ان تمام جگہوں پر استاد کی خدمت کا حق ادا کرتے ہوئے سبق جاری رکھتے، ۱۲۸۹ھ میں یہ کتابیں تکمیل کو پہونچیں، اسی زمانہ میں مختلف اوقات میں ادب کی بعض کتابیں اور حساب وغیرہ دیگر فنون پڑھ کر علوم عقلیہ ونقلیہ سے فارغ ہوئے اور ذی قعدہ ۱۲۹۰ھ میں مدرسہ کے جلسۂ دستار بندی میں بدستِ اکابر علماء سندِ فراغ ودستارِ فضیلت حاصل کی ۔

تدریس: فراغت کے قبل ۹۰-۱۲۸۹ھ میں معین المدرس کی حیثیت سے مختلف کتب کا درس شروع کردیا تھا، فراغت کے بعد بھی پڑھاتے رہے، ۱۲۹۲ھ سے باقاعدہ بمشاہرہ مدرس

مقرر ہوئے، ۹۳ھ میں مشکوۃ وہدایہ وترمذی پڑھائی، ۹۵ھ میں صحیح بخاری بھی پڑھائی، اپنی خداداد قابلیت کی وجہ سے بہت جلد ترقی کرلی ۔

سفرِ حج: شوال ۹۴ھ میں اکابر کے قافلہ کے ساتھ حج کو گئے، وہاں شاہ عبدالغنی مجددیؒ سے سند حدیث حاصل فرمائی، حاجی امداد اللہؒ سے بیعت ہوئے، حاجی صاحبؒ نے خلافت و اجازت عطا فرمائی، حضرت نانوتویؒ نے بھی آپکو چاروں سلسلوں میں بیعت فرما کر اجازت عطا فرمائی ۔

۱۳۰۵ھ میں صدر مدرس مقرر ہوئے، بڑی کتابیں تو پہلے ہی سے پڑھاتے تھے، لیکن مولانا سید احمد دہلویؒ جو مدرس اول تھے بھوپال چلے گئے، اور اس سے قبل مولانا یعقوب نانوتویؒ اور ملا محمودؒ کا انتقال ہوچکا تھا، اسلئے آپ صدر مدرس نامزد ہوئے، شیخ الہند نے ۱۳۳۳ھ تک دارالعلوم میں درس دیا، اس چالیس (۴۰) سال سے زائد مدت میں بڑے بڑے علماء اور فضلاء آپ سے مستفید ہوئے اور ایک عالم کو سیراب کیا، مولانا اشرف علی تھانویؒ نے بھی آپ سے پڑھا، علامہ انور شاہ کشمیریؒ، علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، مفتی کفایت اللہ دہلویؒ، مولانا حسین احمد مدنیؒ، مولانا سید اصغر حسین دیوبندیؒ، یہ تمام آپ کے تلامذہ ہیں جن کو عالمی شہرت حاصل ہے، آپ کے ذریعہ دارالعلوم عالمی ادارہ بن گیا ۔

تحریک آزادی: اپنے اساتذہ حضرت نانوتویؒ وحضرت گنگوہیؒ سے وراثۃً انگریز دشمنی پائی تھی، ہندوستان کو انگریز کے ظلم سے آزاد کرنے کیلئے جذبۂ جہاد آپ میں پایا جاتا تھا، اس سلسلہ میں ۱۳۳۳ھ کے حج کے بعد آپ گرفتار کئے گئے، اور مالٹا میں تین سال سے زیادہ گرفتار رہے، اسی زمانہ میں آپ نے ترجمۂ قرآن مکمل کیا، اسیری سے قبل چھ پارے ہوئے تھے ۔

۶۷ ابواب بخاری پر گراں قدر تحریر اسی زمانہ میں تحریر فرمائی، مالٹا سے رہائی کے بعد

شیخ الہند کا خطاب ملا.

وفات : بمبئی آمد کے ۵ ماہ بعد ۱۸ / ربیع الاول ۱۳۳۹ھ ۳۰ / نومبر ۱۹۲۰ء دلی میں انتقال ہوا، دیوبند میں دفن کیا گیا، رحمہ اللہ.

تصنیفات : ادلہ کاملہ، ایضاح الادلہ، شرح اوثق العری فی تحقیق الجمعہ فی القری لگنگوہیؒ، جہد المقل فی تنزیہ المعز والمذل وغیرہ تصنیفات بھی یادگار چھوڑیں.

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ

۱۲۴۸ھ ۱۸۳۲ء ۱۲۹۷ھ ۱۸۸۰ء عمر: ۴۹ سال

نام ونسب: نام محمد قاسم بن اسد علی بن غلام شاہ بن محمد بخش صدیقی نانوتوی.

ولادت : ۱۲۴۸ھ میں نانوتہ میں پیدا ہوئے.

تحصیل علم : حضرت نانوتویؒ بچپن ہی میں نانوتہ سے دیوبند چلے گئے اور شیخ کرامت کے گھر عربی پڑھی پھر اپنے نانا کے ساتھ سہارنپور چلے گئے، وہاں مولوی محمد نواز صاحب سہارنپوری سے فارسی عربی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں، اس کے بعد مولانا مملوک علی صاحبؒ کے ہمراہ محرم ۱۲۶۰ھ کو دہلی پہنچے، ان سے درسی کتابیں پڑھیں، حدیث شاہ عبد الغنی صاحب مجددی دہلویؒ سے پڑھی، اور حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ سے بیعت ہوئے اور اکتساب فیض کرکے کمال کو پہنچے، حاجی صاحب آپ کو اپنی زبان قرار دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ ایسے لوگ کبھی پہلے زمانہ میں ہوا کرتے تھے، اب مدتوں سے نہیں ہوتے.

تعلیم سے فراغت کے بعد دہلی میں مطبع احمدی میں جو محدث احمد علی سہارنپوریؒ نے قائم

کیا تھا تصحیح کتب کا کام کرنے لگے، محدث سہارنپوریؒ نے بخاری پر حاشیہ لکھنے کا کام شروع کر رکھا تھا، آخر کے پانچ پاروں کے حاشیہ کا کام مولانا نانوتویؒ کے سپرد فرمایا، یہ پارے مشکل تھے، خصوصا وہ مقامات جہاں امام بخاریؒ نے امام ابوحنیفہؒ پر اعتراضات کئے ہیں، لیکن مولانا نانوتویؒ نے کتاب کی تصحیح بھی خوب کی اور حاشیہ بھی خوب لکھا اور مذہب حنفی کی تائید میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی، وہی بخاری اب تک ہند و پاک میں چھپ رہی ہے، صرف دو سال کے رمضان میں قرآن پاک حفظ کرلیا تھا.

آپ بہت سادہ اور متواضع تھے، مسئلہ کسی کو نہ بتاتے دوسرے کے حوالہ کردیتے، فتوی لکھنا یا اس پر دستخط کرنا تو درکنار، شاگردوں اور مریدوں کے ساتھ بھی دوستوں کی طرح رہتے، پادریوں اور آریوں سے متعدد مناظرے کئے اور اسلا کی حقانیت ثابت فرمائی.

تصنیفات : مذہب حنفی کی تائید میں توثیق الکلام فی ترک القراءۃ خلف الامام، اور دلیل المحکم فی ترک القراءۃ للمؤتم اور مصباح التراویح وغیرہ کتابیں لکھیں.

مخالفین اسلام کے جواب میں تقریر دل پذیر، انتصار الاسلام، حجۃ الاسلام، میلۂ خدا شناسی، قبلہ نما، تحفۂ لحمیہ، مباحثہ شاہ جہاں پور، گفتگوئے مذہبی کتابیں آپ کی یادگار ہیں.

تحذیر الناس عن انکار اثر ابن عباس، حضورﷺ کی ختم نبوت پر عجیب کتاب ہے، اس پر اعتراضات کے جواب میں اجوبہ اربعین لکھی، آب حیات حضورﷺ کی حیات برزخی پر، اور ہدیۃ الشیعۃ شیعوں کے عقائد پر لاجواب کتابیں ہیں، ان کے علاوہ بھی دیگر تصنیفات اور قصائد وغیرہ ہیں.

انگریزوں کی مخالفت میں اور ہندوستان کی آزادی کے لئے ۱۲۷۳ھ ۱۸۵۷ء کے جہاد شاملی میں شرکت فرمائی، اور گرفتاری کا وارنٹ نکلا تو صرف تین دن روپوش رہے پھر باہر نکل آئے اور فرمایا کہ حضرتﷺ بھی تین دن ہی غار ثور میں روپوش تھے، آپ نے تین حج

کئے تھے : ۱۲۷۷ھ ۱۸۶۰ء، ۱۲۸۶ھ ۱۸۶۹ء، ۱۲۹۴ھ ۱۸۷۷ء میں، مسلمانوں کے دین کی حفاظت کے لئے دارالعلوم دیوبند کا قیام ۱۲۸۳ھ ۱۸۶۷ء میں ہوا تو آپ ہی اس کے روح رواں تھے اور اس کے اصولِ ہشتگانہ تحریر فرمائے۔

وفات : ۴؍جمادی الاولی ۱۲۹۷ھ ۱۸۸۰ء بروز جمعرات دیوبند ہی میں انتقال ہوا، جہاں دفن ہوئے وہی قبرستان قاسمی ہوگیا، وہیں حضرت شیخ الہند، حضرت مولانا حسین احمد مدنی وغیرہم مدفون ہیں۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ

(از بیس بڑے مسلمان ص ۱۱۴ اور العناقید الغالیہ مولانا عاشق الٰہی برنی مدنیؒ ص ۳۹)

امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ

۱۲۴۴ھ ۱۸۲۹ء ۱۳۲۳ھ ۱۹۰۵ء عمر ۷۹ سال

نام ونسب : نام رشید احمد بن ہدایت احمد ہے، آپ انصاری اور ایوبی النسل تھے۔

ولادت : مولانا کی ولادت ۶؍ذی قعدہ ۱۲۴۴ھ مطابق ۱۸۲۹ء بروز پیر گنگوہ میں ہوئی، ابھی سات سال کے تھے کہ والد صاحب کا سایہ سر سے اٹھ گیا، والدہ کی تربیت میں رہے، سرپرستی جد امجد قاضی پیر بخش صاحب نے کی۔

تعلیم : کچھ ابتدائی تعلیم میانجی قطب بخش اور اپنے ماموں مولوی محمد تقی سے حاصل کی، فارسی کا کچھ حصہ مولوی محمد غوث سے اور ابتدائی صرف ونحو مولوی محمد بخش رامپوری سے حاصل کیا، اس کے بعد دہلی کا رخ کیا، یہ ۱۲۶۱ھ کا قصہ ہے، وہاں مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی موجود تھے دونوں ساتھ ہوگئے۔

معقولات اصولِ فقہ معانی اور تفسیر کی اکثر کتب درسیہ مولانا مملوک علی نانوتویؒ متوفی

۱۲۶۷ھ والد مولانا یعقوب نانوتویؒ سے پڑھیں جو مدرسہ عربیہ یعنی دہلی کالج میں پڑھاتے تھے، کچھ معقولات کی کتابیں صدر الصدور مفتی صدر الدین صاحب آزردہ سے پڑھیں، صحاح ستہ اور کچھ کتابیں شاہ عبد الغنی مجددی دہلویؒ سے پڑھیں کچھ انکے بھائی شاہ احمد سعید مجددی دہلویؒ سے بھی پڑھی تھیں۔

تقریباً ۴ سال دہلی میں رہکر تمام علوم وفنون میں کمال پیدا کرلیا، پھر گنگوہ واپس آئے، شادی ہوئی، اور ایک سال میں قرآن پاک حفظ کرلیا، پھر حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ کی خدمت میں گنگوہ حاضر ہوئے اور بیعت ہوکر ایک چلہ وہاں گزارا، واپسی میں خلافت مل گئی، حاجی صاحب نے الوداع کہتے ہوئے فرمایا اگر کوئی بیعت کی درخواست کرے تو بیعت کرلینا۔

۱۲۷۳ھ ۱۸۵۷ء میں برطانوی حکومت کے خلاف جہاد میں حضرت حاجی صاحب کے ساتھ آپ بھی شریک تھے، حضرت حاجی صاحب جماعت مجاہدین کے امیر تھے، حضرت نانوتوی سپہ سالار اور حضرت گنگوہی قاضی، شاملی کے لڑائی کے بعد تینوں کو گرفتار کرنے کا حکم تھا، حاجی صاحب تو خفیۂ ہجرت کرگئے، حضرت نانوتوی تین دن روپوش رہ کر باہر نکل آئے لیکن انکی گرفتاری عمل میں نہیں آسکی، حضرت گنگوہی تقریباً ۶ ماہ جیل میں رہے پھر رہا ہوئے۔

درس وتدریس : رہائی کے بعد بیعت وارشاد کے ساتھ تعلیم وتدریس میں منہمک ہوگئے۔

آپ نے تین حج کئے، پہلا ۱۲۸۰ھ میں، دوسرا ۱۲۹۴ھ میں، اس سفر میں آپ کے ساتھ حضرت نانوتویؒ، مولانا محمد مظہر، مولانا یعقوب نانوتویؒ، مولانا رفیع الدین صاحب دیوبندی، حضرت شیخ الہند بھی تھے، اس وقت تک حضرت گنگوہی تفسیر، حدیث، کلام، فقہ، اصول فقہ کی کتابیں پڑھایا کرتے تھے،، تیسرا حج ۱۲۹۹ھ میں کیا، حرمین شریفین میں حاجی امداد اللہ مہاجر مکی اور شاہ عبد الغنی محدث سے ملاقاتیں ہوتی تھیں، اس تیسرے سفر سے قبل شاہ

عبدالغنی محدث کا ۱۲۹۶ھ میں انتقال ہوگیا تھا، اس سفر سے واپس آکر ایک سال میں صحاح ستہ کے دورہ کو ختم کرانے کا التزام کیا، شوال سے شعبان تک پڑھاتے، ۱۳۱۴ھ تک یہ سلسلہ رہا. (بیس بڑے مسلمان ص ۱۶۹)

الکوکب الدری ۱/۱۳ میں ہے کہ ۱۳۰۹ھ تک یہ سلسلہ جاری رہا، تقریبا بیس سال میں آٹھ سو سے زائد علماء وفضلاء فارغ ہوئے، تین سال دورۂ حدیث مسلسل حادثات کے پیش آنے کی وجہ سے نہیں پڑھایا، پھر ذی قعدہ ۱۳۱۱ھ میں متعلقین کے مسلسل اصرار کی وجہ سے دورۂ حدیث پڑھانا شروع فرمایا جو شعبان ۱۳۱۳ھ میں پورا ہوا، جس میں مولانا محمد یحیی صاحب کاندھلویؒ بھی شریک تھے بلکہ انہی کی وجہ سے یہ دورہ ہوا، اور انہی سالوں کی تقریریں مولانا محمد یحی صاحبؒ نے ضبط کی تھیں جو الکوکب الدری اور لامع الدراری وغیرہ کے نام سے شائع ہوئیں، آپ کے کمالات پر مستقل کتابیں لکھی گئیں ہیں، وفات جمادی الاخری ۱۳۲۳ھ میں ہوئی. رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ.

(از بیس بڑے مسلمان، العناقید الغالیہ ۳۸ مقدمۂ لامع ص ۲ وکوکب ص ۱۳ وغیرہ)

<u>طریقۂ تدریس</u>: حضرت گنگوہیؒ اولا ترمذی شریف پڑھایا کرتے تھے اس میں متن و اسناد کی تحقیق اور رفع تعارض، ترجیح راجح وغیرہ مباحث کو پوری تفصیل سے بیان کرتے تھے پھر بقیہ کتابیں سرسری طور پر پڑھاتے تھے، صرف کتاب کی خصوصیات پر کلام فرماتے تھے.

(مقدمۂ لامع ص ۳ والعناقید الغالیہ ص ۳۸)

حضرت گنگوہیؒ کو یہ کمال حاصل تھا کہ مختصر عبارت میں نہایت جامع بات ارشاد فرمادیتے، ان کو فن حدیث سے فطری مناسبت تھی، ذوق سلیم حاصل تھا، اختلافی مسائل میں نہایت اعتدال کے ساتھ فیصلہ فرماتے، افراط وتفریط سے خالی، سلفِ صالحین اور ائمۂ حدیث وفقہ کے ساتھ حسنِ ادب اور حسنِ ظن رکھتے تھے، روایات کا ایسا محمل بیان فرماتے

کہ تعارض رفع ہوجاتا.

<u>خصوصیات وکمالات</u>: تقوی اور اتباع سنت میں آپ ایک مثالی شخصیت کے مالک تھے، بدعات اور رسومات سے نفرت تھی، اسکے خلاف آپ نے جنگ کی، اس میں ذرا نرمی گوارہ نہ تھی، اس کی بہت سی مثالیں ان کی سوانح میں مذکور ہیں، حق بات صاف صاف فرمادیتے، سنت اور شریعت کی اشاعت آپ کا مقصدِ زندگی تھا، کسی منکر کو برداشت نہ کرتے اور کسی کی پرواہ نہ کرتے.

اس کے باوجود متواضع اور نرم طبیعت تھے، حق کے ساتھ رہتے، حق ظاہر ہونے کے بعد اپنے قول سے رجوع کرلیتے.

ایسے خلفاء اور تلامذہ چھوڑے جنھوں نے ان کے مشن کو آگے بڑھایا، حدیث وسنت اور شریعت کی اشاعت اور منکرات وبدعات کو مٹانے کی انتھک کوشش کی، ان میں مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ اور حضرت شیخ الہندؒ اور مولانا محمد الیاس دہلویؒ بہت مشہور ہیں.

حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ نے فرمایا: حضرت گنگوہیؒ اس دور کے قطب ارشاد اور مجدد تھے لیکن مجدد کے لئے ضروری نہیں کہ سارا تجدیدی کام اسی کے ہاتھ سے ظاہر ہو، بلکہ اس کے آدمیوں کے ذریعہ جو کام ہو وہ سب بھی بالواسطہ اسی کا ہے، جس طرح خلفاء راشدین بالخصوص حضرات شیخین کا کام فی الحقیقت رسول اللہ ﷺ ہی کا کام ہے. (ملفوظات مولانا محمد الیاسؒ ص ۱۲۳ مرتبہ مولانا محمد منظور نعمانیؒ)

<u>تصنیفات</u>: حضرت گنگوہیؒ نے مختلف موضوعات پر تصنیفات یادگار چھوڑیں ہیں، ان میں چند مشہور یہ ہیں: ۱۔ ہدایۃ الشیعۃ، ہادی علی شیعی کے اعتراضات کے جوابات ۲۔ زبدۃ المناسک ۳۔ الرأی النجیح فی اثبات التراویح ۴۔ اوثق العری، جمعہ فی القری کے جواب میں ۵۔ ہدایۃ المقتدی، قراءت خلف الامام کے موضوع پر ۶۔ سبیل الرشاد،

رد عدم تقلید پر   ۷۔ قطوفِ دانیہ، محلّہ کی مسجد میں جماعتِ ثانیہ کی کراہت پر   ۸۔ رد الطغیان، کلام مجید کے اوقاف کو بدعت ثابت کرنے والوں کا جواب   ۹۔ احتیاط الظہر، جہاں جمعہ ہے وہاں احتیاط الظہر کی ضرورت نہیں   ۱۰۔ فتاوی رشیدیہ

شیخ شاہ عبدالغنی مجددی دہلوی ثم مہاجر مدنی رحمہ اللہ

۱۲۳۵ھ   ۱۲۹۶ھ   ۱۸۴۶ء   عمر: ۶۱ سال

آپ کا اسم گرامی عبدالغنی، والد کا نام ابوسعید مجددی ہے، آپ کا سلسلۂ نسب چند آباء کے واسطہ سے مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد سے جاملتا ہے، اسی لئے آپ کو بھی اور آپ کے والد کو بھی مجددی کہا جاتا ہے.

ولادت: شاہ عبدالغنی کی ولادت دہلی میں شعبان ۱۲۳۵ھ میں ہوئی، بچپن ہی سے تحصیل علم شروع کردیا، فقہ حنفی کو سیکھا اور قرآن پاک حفظ کیا، حدیث وغیرہ کی اکثر کتابیں اپنے والد شیخ ابوسعید مجددیؒ سے پڑھیں، خصوصا صحاح ستہ اور مؤطا امام محمد، اور صحیح بخاری حضرت شاہ محمد اسحاق سے بھی پڑھی، مشکوۃ شیخ مخصوص اللہ بن شاہ رفیع الدین سے پڑھی، صحیح بخاری شیخ محمد عابد سندھیؒ سے بھی پڑھی اور دیگر کتب کی بھی اجازت حاصل کی، شیخ ابوالزاہد اسماعیل بن ادریس رومی ثم مدنی سے بھی اجازت حاصل کی، سلسلۂ نقشبندی میں اپنے والد سے اکتساب فیض کرکے اجازت حاصل کی اور انکے قائم مقام بن کر ارشاد و اصلاح کا کام انجام دیا.

سنن ابن ماجہ پر ایک نفیس حاشیہ بنام ''انجاح الحاجۃ'' تصنیف فرمایا جو مقبول خاص و عام ہے.

ہر وقت تدریس و تعلیم اور وعظ و ارشاد میں مشغول رہتے تھے، جب دلی میں فساد ہوا

اور کافروں کا غلبہ ہوگیا تو اپنے کچھ لوگوں کے ساتھ حجاز ہجرت کرگئے، پہلے مکہ مکرمہ گئے پھر مدینہ، اور یہیں کے ہو رہے، رات دن درس و تدریس اور اوراد و اذکار میں گزارتے، وہاں بہت سے علماء آپ سے مستفید ہوئے.

آپ کے شاگردوں میں ہندوستان کے یہ اکابر ہیں: ملا محمود دیوبندی متوفی ۱۳۰۴ھ، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، مولانا عبدالحلیم فرنگی محلیؒ، مولانا عبدالحیٔ فرنگی محلیؒ، مولانا محمود الحسن دیوبندی شیخ الہندؒ، مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ صاحب بذل المجہود، مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ، مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ بانی مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ، حجاز کے یہ حضرات ہیں: شیخ شہاب الدین احمد بن اسماعیل برزنجیؒ، شیخ حسب اللہ مکیؒ، شیخ عبدالجلیل برادہؒ، سید امین رضوانؒ، شیخ فالح بن محمد ظاہریؒ، شیخ عثمان داغستانی مدنیؒ، مغرب کے لوگوں نے بھی آپ سے اجازت لی.

آپ کے بعد آپکی صاحبزادی بھی آپ کے واسطہ سے حدیث کی اجازت دیتی تھیں، مولانا محمد یوسف بنوریؒ نے ان سے اجازت لی تھی.

وفات: آپ کی وفات مدینہ منورہ میں محرم ۱۲۹۶ھ میں ہوئی، رضی اللہ عنہ وارضاہ وجعل الجنۃ مثواہ، آپ کے والد شیخ ابوسعید مجددی اور شاہ محمد اسحاق دونوں نے شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ سے حدیث کا علم حاصل کیا، انھوں نے اپنے والد سے ..... الخ

علامہ عبدالحیٔ کتانیؒ کہتے ہیں کہ متاخرین کے سلسلوں میں اس سے زیادہ مضبوط اور قابل اعتماد کوئی سلسلہ نہیں، اسلئے کہ علو کے ساتھ زمانہ اور مقام کے ائمہ کے ساتھ مسلسل ہے.

(از العناقید الغالیہ ص ۳۴ و ۳۵)

مُسندِ الہند شاہ محمد اسحاق دہلوی مکی رحمہ اللہ

۱۱۹۷ھ ۱۲۶۲ھ عمر شریف ۶۵ سال

اسم گرامی محمد اسحاق، کنیت ابوسلیمان اور نسب نامہ یہ ہے: محمد اسحاق بن محمد افضل بن احمد سلیمان بن منصور ..... عمری دہلوی.

ولادت: ۸/ذی الحجہ ۱۱۹۶ھ یا ۱۱۹۷ھ میں دہلی میں پیدا ہوئے.

تعلیم: اپنے نانا شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کے زیر تربیت پروان چڑھے، صرف ونحو کافیہ تک شیخ عبدالحئی بن ھبۃ اللہ بڈھانویؒ اور بقیہ کتب درسیہ شیخ عبدالقادر بن شاہ ولی اللہ سے پڑھیں، پھر حدیث کا علم اور سند شاہ عبدالعزیز سے حاصل کیا.

شاہ صاحب کے بچے کی طرح تھے، شاہ عبدالعزیزؒ نے اپنا جانشین بنادیا، اپنا سارا مال کتابیں اور گھر ان کو ہبہ کردیا، شاہ صاحب کے بعد ان کے جانشیں ہوئے، لوگوں کو خوب فائدہ پہنچایا.

سفر حجاز: ۱۲۴۰ھ میں حرمین شریفین کا قصد کیا، وہاں شیخ عبدالکریم بن عبدالرسول مکی شافعیؒ متوفی ۱۲۴۷ھ سے حدیث کی سند حاصل کی پھر ہندوستان آئے اور دہلی میں ۱۶ سال تک درس دیا.

شیخ عمر بن عبدالکریم کہا کرتے تھے کہ انکے نانا شیخ عبدالعزیز دہلویؒ کی برکت ان میں اتر پڑی ہے، شیخ عمر مکی مذکور علم حدیث اور رجال حدیث میں انکے کمال کے قائل تھے.

علم وتقوی وغیرہ فضائل میں مشہور تھے، ان کے زمانہ میں ہندوستان میں حدیث کی کوئی اور سند نہیں تھی، بہت سے لوگوں نے حدیث کا علم ان سے حاصل کیا حتی کہ تمام سندوں

کا وہ مرکز بن گئے، یہی مطلب ہے مُسند الہند کا.

ہجرت: ۱۲۵۸ھ میں دوبارہ حج کے لئے تشریف لے گئے اور فراغت کے بعد مکہ مکرمہ میں اقامت اختیار کرلی، ساتھ میں تمام عیال اور چھوٹے بھائی محمد یعقوب بھی تھے.

آپ کے تلامذہ میں بڑے بڑے اہل علم پیدا ہوئے، مثلا نواب قطب الدین دہلوی صاحب مظاہر حق متوفی بمکہ ۱۲۷۹ھ، شیخ احمد علی بن لطف اللہ سہارنپوری المتوفی ۱۲۹۷ھ محشی بخاری (انھوں نے مکہ مکرمہ میں اپنے ہاتھ سے کتابیں نقل کرکے شاہ محمد اسحاق صاحب سے پڑھیں)، مولانا محمد مظہر نانوتویؒ متوفی ۱۳۰۲ھ، قاری عبدالرحمٰن پانی پتی متوفی ۱۳۱۴ھ، شاہ عبد الغنی مجددی متوفی ۱۲۹۶ھ وغیرہم.

شاہ محمد اسحاق صاحب نے مشکوۃ کا ترجمہ بھی کیا اور کچھ تصنیفات بھی چھوڑیں، آپکی طرف بعض ایسی تصنیفات بھی منسوب ہیں جن میں اوہام ہیں جو بظاہر آپ سے مستبعد ہیں، کہا جاتا ہے کہ آپکے اصحاب میں بعض بُرے لوگ بھی تھے جنکے ساتھ آپ حسن ظن رکھتے تھے، انھوں نے آپکی کتابوں میں ایسی باتیں داخل کردیں. (ذکرہ الشیخ محمد زکریا فی مقدمۃ الاوجز)

وفات: آپکی وفات بروز پیر بحالت صوم ۲۷/رجب ۱۲۶۲ھ میں ہوئی، جنت المعلاۃ میں حضرت خدیجۃ الکبری کے قریب دفن ہوئے، رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ. (از العناقید الغالیہ ص ۲۸)

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالی

۱۱۵۹ھ ۱۲۳۹ھ عمر ۸۰ سال

شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کا تاریخی نام غلام حلیم تھا، آپ کی ولادت ۲۵/رمضان ۱۱۵۹ھ مطابق ۱۷۴۶ء دہلی میں ہوئی، گیارہ برس کی عمر میں قرآن مجید اور فارسی سے فارغ

ہوکر عربی شروع کی اور پندرہ سال کی عمر میں جملہ علوم رسمیہ سے فراغت حاصل کی ، علوم عقلیہ کی تحصیل والد بزرگوار شاہ ولی اللہ دہلوی کے تلامذہ سے کی اور حدیث وفقہ کی خود شاہ صاحب سے ، سترہ برس کے تھے کہ والد صاحب کا انتقال ہوگیا تو شاہ صاحب کے تلمیذ خاص مولانا محمد عاشق پھلتی سے تکمیل کی ۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے انتقال کے بعد آپ ہی ان کے جانشین اور خلیفہ ہوئے ، اپنے بھائیوں میں سب سے بڑے تھے، درس وتدریس ، ہدایت وارشاد اور تصنیف وتالیف میں ہمہ تن مشغول ہوگئے ، تمام علوم متداولہ اور فنون عقلیہ ونقلیہ میں کامل دستگاہ حاصل تھی ، حافظہ بلا کا قوی تھا، تقریر معنی خیز، سحر انگیز اور مرتب ودلنشین ہوا کرتی تھی ، ان تمام کمالات نے آپ کو مرجع عوام وخواص بنادیا تھا، شیخ محمد تھانویؒ کا ارشاد ہے کہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کو چھ ہزار حدیث کے متن یاد تھے ۔

نواب صدیق حسن خان صاحب نے لکھا ہے کہ آپ دیار ہند کے خاتم المفسرین و المحدثین تھے، کثرت حفظ وعلم ، خوابوں کی تعبیر ، سلیقۂ وعظ ، انشاء پردازی ، تحقیقات نفائس علوم ، مذاکرہ اور مخالفین کے ساتھ مباحثہ کرنے میں اور موافق ومخالف اعتقادیات میں اپنے معاصرین میں ممتاز تھے، تمام عمر درس وتدریس ، افتاء ، فصل خصومات ، وعظ وتربیتِ مریدین وتکمیل تلامذہ میں گزار دی ، باطنی کمالات کے ساتھ صوری جاہ وعزت اور ظاہری تعظیم و احترام بھی میسر تھا، امیر مجاہدین سید احمد شہید بریلویؒ کو ان ہی سے بیعتِ طریقت حاصل تھی ، ان کا خاندان علوم حدیث اور فقہ حنفی کا خاندان تھا ۔

مولانا عبدالقادر کا بیان ہے کہ شاہ عبدالعزیز صاحب علم تفسیر ، حدیث ، فقہ ، سیرت اور تاریخ میں شہرۂ آفاق تھے ، اور ہیئت ، ہندسہ ، مجسطی ، مناظر ، اصطرلاب ، جرثقیل ، طبعیات ، منطق ، مناظرہ ، اتفاق واختلاف ، ملل ونحل ، قیافہ ، تاویل ، تطبیق مختلف اور تفسیر مشتبہ میں

یکتائے زمانہ تھے، فن ادب میں اور ہر قسم کے اشعار سمجھنے میں بلند مرتبہ رکھتے تھے، منقول میں کلام اللہ اور حدیث سے دلیل پیش کرتے اور معقول میں جو ثبوت مناسب سمجھتے ، حکماء یونان یا رازی وغیرہ کے اقوال کی تائید میں خواہ مخواہ مبتلا نہیں ہوتے ۔ (از فوائد جامعہ بر عجالۂ نافعہ ۲۷۴)

ہفتہ میں دو بار مجلس وعظ منعقد فرماتے ، شائقین ومعتقدین بہت بڑی تعداد میں جمع ہوتے جن کو رشد وہدایت کا افاضہ کرتے ۔ (ایضا ۲۷۵)

وفات: ۹ رشوال بروز یکشنبہ ۱۲۳۹ھ اس جہانِ فانی سے انتقال فرمایا ۔

تصنیفات: علم حدیث میں دو کتابیں مشہور ہیں ایک بستان المحدثین جو حدیث کی مشہور کتابوں اور ان کے مؤلفین کے حالات وتعارف پر مشتمل ہے ، اصل کتاب فارسی میں تھی اس کا اردو ترجمہ شائع ہوچکا ہے ۔

۲۔ دوسری کتاب عجالۂ نافعہ ہے جو شاہ صاحب کا ثبت اور علم حدیث کے علوم کی آئینہ دار ہے ۔ (ایضا)

۳۔ تحفۂ اثنا عشریہ، شیعوں کی رد میں بے نظیر کتاب ہے ۔

۴۔ تفسیر عزیزی: جو سورۂ بقرہ اور آخر کے دو جزوں کی تفسیر ہے، اس کا نام فتح العزیز ہے ، اگر یہ مکمل ہوجاتی تو اس سے کامل کوئی تفسیر نہ ہوتی ۔

۵۔ تحقیق الرؤیا ۶۔ رسالۂ فیض عام ۷۔ سر الشہادتین ۸۔ عزیز الاقتباس فی فضائل أخبار الناس ۹۔ چہار باب ۱۰۔ احسن الحسنات (مقدمہ اوجز ۷۲)

۱۱۔ فتاوی عزیزی: شاہ صاحب کے فتاوی کا مجموعہ ہے ۔

شاہ صاحب صاحب کرامت تھے، پہلی مرتبہ جب تراویح سنائی تو خواب میں دیکھا کہ حضرت رسول اکرم ﷺ بھی اس میں شریک ہیں، انکے علاوہ بہت سے فضائل کے مالک تھے، اللہ تعالی نے انکو ایسے تلامذہ میسر فرمائے جن سے انکے علوم کی خوب اشاعت ہوئی ۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

ولادت ۱۱۱۴ھ ۱۷۰۲ء وفات ۱۱۷۶ھ ۱۷۶۳ء عمر: ۶۲ سال

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے ۔ بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

نام ونسب: احمد نام، ابوالفیاض کنیت، ولی اللہ عرف، بشارتی نام قطب الدین اور تاریخی نام عظیم الدین ہے، نسبا فاروقی ہیں، والدہ کی طرف سے نسب حضرت موسی کاظم تک پہنچتا ہے۔

ولادت : آپ کی ولادت حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے اسی (۸۰) سال کے بعد ۴ر شوال ۱۱۱۴ھ ۱۷۰۲ء کو آپکے نانی ہال قصبہ پھلت ضلع مظفر نگر یو پی ہند میں ہوئی، آپ چار سال کے تھے تو شہنشاہ عالم گیر اورنگ زیب کا انتقال ہوا۔

آپ کے والد صاحب شاہ عبدالرحیم اپنے وقت کے بہت بڑے عالم تھے، فقیہ اور صوفی بزرگ تھے، فتاوی عالمگیری کی ترتیب میں آپ کا بھی حصہ ہے، فقہ حنفی کی جزئیات پر بڑی گہری نظر تھی ۔

تعلیم وتربیت : عمر کے پانچویں سال میں والد صاحب نے تعلیم شروع کرائی، سات سال کی عمر میں حافظ ہوگئے، پھر فارسی اور عربی شروع کی، دس برس کی عمر میں نحو میں مہارت پیدا کرلی، پھر معقولات کی طرف متوجہ ہوئے، پندرہ سال کی عمر میں تمام متداول درسی کتب سے فارغ ہوکر عالم فاضل بن گئے، اکثر تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی، شیخ محمد افضل سیالکوٹی کے حلقۂ درس میں شریک ہوکر حدیث کی سند لی ۔

شادی اور بیعت: عمر کے چودھویں سال میں شادی ہوگئی، اور جس وقت آپ اپنے والد

سے بیضاوی شریف پڑھ رہے تھے (یہ عمر کا پندرھواں سال تھا) اپنے والد ہی کے ہاتھ پر بیعت ہوئے اور ان ہی کی نگرانی میں اشغال صوفیہ میں مشغول ہوئے، خصوصا نقشبندیہ میں تمام اذکار پورے کیئے، عمر کے سترہویں سال میں جب کہ والد صاحب بیمار تھے اور سفر آخرت کیلئے تیار تھے آپ کو خلافت عطا فرمائی اور مدرسہ رحیمیہ نیز خانقاہ رحیمیہ کی ذمہ داری آپ کو سونپی، اور ۱۲ر صفر ۱۱۳۱ھ مطابق ۱۷۱۹ء میں راہی ملک بقا ہوئے ۔

درس وتدریس : ۱۷ سال کی عمر میں آپ نے تدریس کا کام شروع کیا اور ۱۲ سال تک بہت انہماک اور محنت سے نحو وصرف، معقولات اور کتب فقہ وتفسیر وحدیث کا درس دیا، مذاہب اربعہ کا تقابلی مطالعہ کیا اسی وقت سے فقہائے محدثین کا طرز آپ کے دل نشیں ہوا، آپ نے طریقۂ رائجہ کو چھوڑ کر ایک نیا طریقہ تعلیم کا اختیار کیا جس سے فضلاء کے اندر قرآن وحدیث سے گہرا ربط پیدا ہوا اور علوم عقلیہ کی مدد سے تمام شکوک وشبہات کی تردید کی صلاحیت پیدا ہوئی ۔

سفر حجاز : ۱۱۴۳ھ ۱۷۳۱ء کے اواخر میں حج کیلئے روانہ ہوئے، حج سے فارغ ہوکر مزید ایک سال قیام فرمایا، کل چودہ (۱۴) ماہ قیام رہا، دو حج کیئے، اس دوران بڑے بڑے مشائخ سے اکتساب فیض کیا، ساتھ ہی اشراقی قوت سے روضۂ اقدس ﷺ اور خانۂ کعبہ سے بھی کسب فیض کیا ۔

خانۂ کعبہ اور روضۂ اطہر سے جو روحانی مشاہدات اور مکاشفات ہوئے ان کو فیوض الحرمین میں جمع فرمایا۔

حجاز میں رہ کر کتابوں کی فراہمی کی طرف بھی توجہ فرمائی، جو کتابیں ہندوستان میں نایاب تھیں جس قیمت پر مل گئیں ان کو حاصل کرلیا۔

حجاز مقدس کے قیام سے علمی صحبتوں، مطالعۂ کتب اور روحانی فیضان کی وجہ سے آپ میں مجتہدانہ کمال پیدا ہوگیا، جس سے آپ کی خدمات کا دائرہ بہت وسیع ہوگیا.

<u>فیضِ حدیث</u> : ہندوستان میں آپ سے قبل شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ نے علم حدیث کو عام کرنے کی کوشش کی تھی، اس مقصد کیلئے آپ نے بھی تین سال حجاز مقدس میں رہ کر علم حدیث حاصل کیا تھا، چنانچہ آپ اور آپ کی اولاد کے ذریعہ بہت کچھ حدیث کی خدمت و اشاعت ہوئی، لیکن اسکا سلسلہ قائم نہ رہ سکا، لیکن شاہ ولی اللہ کے ذریعہ جو سلسلہ شروع ہوا اس میں اللہ تعالی نے ایسی برکت عطا فرمائی کہ آج تک وہ سلسلہ نہ صرف قائم ہے بلکہ اس میں کافی ترقی اور پھیلاؤ ہو رہا ہے.

<u>شاہ صاحب کی خدمات</u> : شاہ صاحب کے زمانہ میں ہندوستانی مسلمانوں کی حالت بہت خراب تھی، بدعقیدگی اور بدعملی کے تمام جراثیم ان میں سرایت کر گئے تھے، دینی اور اخلاقی حالت حد درجہ گر گئی تھی، ہندوؤں کے رسوم و رواج کو مسلمانوں نے اختیار کر رکھا تھا، علماء میں جمود اور اندھی تقلید کا رواج پڑ گیا تھا، جاہل صوفیوں نے پیری مریدی کے نام سے مسلمانوں کو لوٹنے کا کاروبار جاری کر رکھا تھا، بدعتیں عام تھیں، جہالت بھی عام تھی، جہاں مدارس میں تعلیم ہو رہی تھی زیادہ تر معقولات پر زور دیا جا رہا تھا، اصل علوم کتاب وسنت کی طرف توجہ نہیں تھی، قرآن مجید تو نصاب سے خارج تھا، حدیث میں مشکوۃ المشابیح اور مشارق الانوار بطور تبرک پڑھائی جاتی تھیں.

شاہ صاحب نے تحریر و تقریر دونوں کے ذریعہ مسلمانوں کی اصلاح کی ایسی کوشش کی جس کو کبھی بھولا نہیں جا سکتا، آج ہندو پاک میں علم دین کے جو چرچے ہیں اور اسلام صحیح شکل میں جو موجود ہے وہ شاہ صاحب کی کوششوں کا نتیجہ ہے.

شاہ صاحب نے درس کا ایک نیا اسلوب اختیار کیا جس میں قرآن و حدیث کو اصل قرار

دیا، قرآن کا ترجمہ اور کچھ فوائد فارسی زبان میں تحریر کئے جو اس وقت کی عام زبان تھی یہ ہندوستان میں پہلا ترجمہ تھا، اس کا نام فتح الرحمٰن فی ترجمۃ القرآن ہے، فتح الخبیر بما لا بد من حفظہ فی علم التفسیر عربی زبان میں مختصر تفسیر لکھی، مؤطا امام مالک کی دو شرحیں لکھیں ایک مُصفّٰی جو فارسی میں ہے دوسری مُسوّٰی جو عربی میں ہے، انکے دیکھنے سے شاہ صاحب کے علمی تبحر اور طریقۂ تدریس کا پتہ چلتا ہے.

عجمی تصوف اور اسکی خرافات سے اسلامی تصوف کو پاک کیا اس موضوع پر بھی کتابیں لکھیں شیعیت کی تردید کے لئے ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء لکھی جس میں قرآن و حدیث سے خلفاء راشدین کی خلافت کو ثابت کیا، نیز تفسیر و تاریخ سے اس کے ایسے دلائل پیش کئے جس سے ساری غلط فہمیاں دور ہوگئیں، بقول مولانا عبدالحئی فرنگی محلی ”پورے اسلامی لٹریچر میں ایسی کوئی کتاب موجود نہیں“.

<u>حجۃ اللہ البالغہ</u> : آپ کی عربی تصنیف ہے جس میں احکام اسلامیہ کے رموز و نکات اور شریعت کے اسرار بیان فرمائے ہیں، یہ آپ کی سب سے بلند پایہ تصنیف ہے، سچ پوچھئے تو آپ اس فن کے بحیثیت فن کے موجد ہیں، اس موضوع پر ایسی کوئی کتاب نہ پہلے لکھی گئی نہ بعد میں، پوری علمی دنیا سے خراج تحسین حاصل کر چکی ہے.

الفوز الکبیر : اصول تفسیر میں ایک مختصر رسالہ ہے مگر نہایت جامع اور بالکل انوکھے اور نئے انداز پر اس میں شاہ صاحب نے علوم قرآن کو پانچ قسموں پر تقسیم کیا ہے اور ناسخ و منسوخ نیز اسباب نزول پر بصیرت افروز معلومات فراہم کی ہیں، اس جیسی کتاب بھی ملنی مشکل ہے، ابن تیمیہ کا مقدمۂ علم تفسیر اس کے سامنے ماند ہے.

اس طرح شاہ صاحب کی پچاسوں تصنیفات ہیں جن میں عجیب وغریب علوم اور تحقیقات کے موتی بکھرے ہوئے ہیں.

تصنیفات کے علاوہ آپ سے فیض حاصل کرنے والے بہت سے تلامذہ تھے، انھوں نے شاہ صاحبؒ کی اس اصلاحی تحریک کو تدریس وتحریر کے ذریعہ باقی رکھا اور اس میں وسعت پیدا کی، ان میں آپکے صاحبزادہ مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ بھی ہیں، جو شاہ صاحب کے جانشین بنے، شاہ صاحب کے چار صاحبزادے تھے، چاروں ہی علم وفضل میں کمال رکھتے تھے، ایں خانہ ہمہ آفتاب است کا مصداق تھے.

شاہ صاحب کا مسلک: شاہ صاحب کو اللہ تعالی نے اتنے کمالات سے نوازا تھا، مثلاً علم میں وسعت، استدلال میں قوت، فکر وفہم میں استقامت، قلب کی صفائی اور اتباع سنت، کہ آپ کے لئے کسی ایک امام کی تقلید ضروری نہیں تھی، لیکن پھر بھی آپ نے رسول اللہ ﷺ سے روحانی طور پر یہ استفادہ کیا تھا کہ مذاہب اربعہ کی تقلید سے باہر نہ جائیں، اور رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی بتایا کہ فقہ حنفی سنت اور حدیث سے بنسبت اور مذاہب کے سب سے قریب ہے، اسلئے شاہ صاحب امام ابوحنیفہؒ اور صاحبین کے اقوال میں سے جسکو حدیث سے زیادہ قریب سمجھتے تھے لے لیتے تھے اور فقہاء احناف میں جن کو حدیث سے زیادہ مناسبت تھی ان کے اختیارات کا اتباع کرتے تھے، شاہ صاحب نے اپنے ایک شاگرد کی صحیح بخاری پر اجازت دیتے وقت اپنے کو مذہبا حنفی لکھا ہے.

آخری عمر میں ایک متعصب شیعہ حاکم نجف علی خاں نے آپ کے پہونچے اتروا دیئے تھے تاکہ کوئی کتاب اور مضمون نہ لکھ سکیں.

وفات: محرم ۱۱۷۶ھ مطابق ۱۷۶۳ء میں دہلی میں انتقال ہوا اور مہدیان میں مدفون ہوئے. رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ

(ماخوذ از فوائد جامعہ ص ۲۷۶ تا ۲۸۷ وظفر المحصلین ص ۵ تا ۶۸
و العناقید الغالیہ و امام شاہ ولی اللہ مولانا عبدالقیوم مظاہری)

شیخ ابوطاہر کردی مدنیؒ

ولادت ۱۰۸۱ھ وفات ۱۱۶۳ھ یا ۱۱۴۵ھ ۱۷۳۲ء

نام ونسب: نام محمد عبدالسمیع، ابوطاہر کنیت اور جمال الدین لقب تھا، کردی مدنی نسبت.

ولادت اور تعلیم: مدینہ منورہ میں ۲۱؍رجب ۱۰۸۱ھ کو پیدا ہوئے، اپنے والد بزرگوار شیخ ابراہیم کورانی مدنی سے علوم نقلیہ وعقلیہ حاصل کئے اور خرقۂ خلافت بھی، والد بزرگوار نے شیخ محمد بن سلیمان مغربی سے بھی اجازتِ روایت اور خرقۂ خلافت حاصل کیا تھا، نحو وادب نیز فقہ ومعقول کی تعلیم ماہر اساتذہ سے حاصل کی تھی، حدیث کا فن والد صاحب کے بعد اکثر و بیشتر شیخ حسن عجیمی سے حاصل کیا، ان ہی سے صحاح ستہ کا سماع کیا، اس کے بعد شیخ احمد نخلی اور شیخ عبداللہ بصری سے بھی پڑھا تھا، شیخ عبداللہ بصری سے شمائل نبوی ﷺ پڑھی اور دو مہینے سے کم میں مسند احمد کا سماع کیا.

حرمین شریفین تشریف لانے والے علماء سے بھی استفادہ کرتے رہے، انھی میں سے شیخ عبداللہ لاہوری ہیں جن سے ملا عبدالحکیم سیالکوٹی کی تصنیفات از شیخ عبداللہ لبیب از ملا عبدالحکیم سیالکوٹی روایت کرتے ہیں اور شیخ عبدالحق کی تصانیف بھی بایں واسطہ عبدالحکیم سے روایت کرتے ہیں کیونکہ عبدالحکیم شیخ عبدالحق کے شاگرد ہیں.

انھی میں سے شیخ سعید کوکنی بھی ہیں جن سے ادب کی بعض کتابیں اور ایک ربع کے بقدر فتح الباری پڑھی تھی.

شیخ ابوطاہر سلف صالحین کی صفات، ورع وتقوی، طاعت الٰہی میں سعی، علم کے ساتھ

اشتغال اور بحث وتکرار میں انصاف کے ساتھ متصف تھے، اتنے نرم دل تھے کہ جب رقاق کے حدیثیں پڑھتے تو آنکھوں میں آنسو بھرلاتے، لباس وغیرہ میں تکلف نہیں برتتے تھے، اپنے خدام اور شاگردوں کے ساتھ نہایت تواضع سے پیش آتے تھے.

صلاح وتقوی اور تصوف سے موصوف کو بڑا حصہ ملا تھا، زبردست عالم تھے، مگر علوم حدیث کا ان پر غلبہ تھا، صرف ونحو، معانی وبیان، بدیع، منطق، فرائض، حساب، جبر ومقابلہ وغیرہ تمام علوم کے جامع تھے، طلبہ کے پڑھانے میں بڑے مستعد تھے، علوم کی تحصیل وتعلیم اور نشر واشاعت میں بڑے کوشاں تھے، کہا گیا ہے کہ اپنے ہاتھ سے ستر (۷۰) کتابیں نقل کرکے رکھی تھیں، وظائف اور معمولات، تہجد وغیرہ کے رات میں ادا ہوتے اور قرآن کی تلاوت سفر وحضر میں کبھی نہیں چھوڑتے تھے، افتاء کے فرائض بھی انجام دیتے تھے.

شاہ ولی اللہ صاحب نے پوری صحیح بخاری ان سے پڑھی تھی اور فن کی مشکل باتیں ان سے حل کی تھیں، پوری مسند دارمی ان سے سنی اور صحاح ستہ کے اطراف ان کو سنائے، انھوں نے شاہ صاحب کو اپنی تمام مرویات کی اجازت عطا فرمائی اور خرقۂ خلافت بھی، اپنی اسانید کے سلسلوں سے اچھی طرح واقف کرایا.

<u>وفات</u> : ۹/رمضان ۱۱۴۵ھ میں یا ۱۱۶۳ھ ۲۴/جمادی الاولی مدینہ منورہ میں انتقال ہوا، بقیع میں دفن ہوئے، جنازہ میں بہت ازدحام تھا، رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ.

(از فوائد جامعہ ص ۲۹۷ تا ۳۰۴)

اعلام زرکلی میں بحوالہ سلک الدرر لکھا ہے کہ ولادت ۱۰۸۱ھ ۱۶۷۰ء میں اور وفات ۱۱۴۵ھ ۱۷۳۳ء میں ہوئی. (اعلام زرکلی ۵/۱۹۵)

شیخ ابراہیم بن حسن کردی کورانی مدنی رحمہ اللہ

۱۰۲۵ھ ۱۱۰۱ھ عمر شریف : ۷۶

شیخ ابراہیم بن حسن بن شہاب الدین شہرزوری کردی کورانی شافعی، آپ کی کنیت ابو العرفان اور لقب برہان الدین ہے، کوران کردوں کا ایک قبیلہ ہے، شہرزور ایک قصبہ کا نام ہے، ۱۰۲۵ھ میں اپنے وطن میں پیدا ہوئے، پہلے وطن کے علماء سے علم حاصل کیا، تمام علوم عقلیہ اور آلیہ، تفسیر وفقہ کو وطن میں پڑھا، بیشتر علوم کی تحصیل ملا محمد شریف کورانی سے کی.

اسکے بعد حج کے ارداہ سے قدم باہر نکالا، کم وبیش دو برس بغداد میں قیام کیا، شیخ عبد القادر کے مزار پر متوجہ رہے اور تصوف کا مذاق یہیں سے پیدا ہوا، چار سال شام میں گزارے، مصر ہوتے ہوئے حرمین آئے، مدینہ منورہ آکر شیخ قشاشی کی صحبت اختیار کی، مصر سے گذرتے ہوئے شیخ شہاب الدین خفاجی اور شیخ سلطان مزاحی وغیرہ سے بھی ملاقاتیں رہیں، شیخ قشاشی کی لڑکی سے شادی کی.

شیخ قشاشی کو ان سے اور ان کو قشاشی سے خاص تعلق تھا، قشاشی سے حدیثیں روایت کیں، خرقۂ خلافت پہنا، ان کی صحبت میں بلند مراتب اور کمالات عالیہ کو پہنچے، اصول، کلام، فقہ وحدیث اور تصوف میں اللہ تعالی کی نشانیوں میں سے ایک نشانی تھے، ہر فن میں ان کے رسالے موجود ہیں، جن سے ان کی قوت تقریر وتحریر کا اندازہ ہوسکتا ہے.

روشن دماغی، تبحر علمی، زہد وتواضع، صبر وحلم کی صفات سے متصف تھے، ان کے زمانہ میں تصوف، اصول، فقہ شافعی اور علم حدیث میں تمام بلادِ اسلامیہ کی نظر ان پر تھی، مشرق و مغرب سے ان کے پاس سوالات آتے تھے اور موصوف ان کے جوابات دیتے تھے جو

رسالے بن جاتے تھے، ان کی مجلس گویا جنت کے باغوں میں سے ایک باغ تھی، ان سے تحصیل علم کے لئے دور دور سے طالبان علوم دوڑے چلے آتے تھے، موصوف مسجد نبوی میں درس دیتے تھے اور معرفت کا سمندر تھے، شاگردوں کا شمار مشکل ہے ان میں اکثر نامور علماء ہوئے ہیں، موصوف فارسی، کردی، ترکی اور عربی سب زبانیں جانتے تھے، ابن تیمیہ وغیرہ ائمۂ فن کی طرف سے مدافعت کرتے تھے، اسی طرح جو کلمات صوفیہ کی زبان سے نکلے ہیں ان کی طرف سے بھی جواب دہی کرتے تھے۔

تصنیفات : آپ کی تصنیفات کی تعداد پچاس سے اوپر ہے، ان میں الامم لایقاظ الھمم بہت مشہور ہے، یہ حدیث کی سندوں کی ایک بڑی فہرست ہے، نہایت مفید حدیثی، تاریخی اور کلامی مباحث نیز صوفیانہ نکات کی جامع ہے، یہ کتاب دائرۃ المعارف حیدرآباد سے شائع ہوچکی ہے۔

وفات : موصوف ہمہ تن خدمتِ دین میں لگے رہے تا آنکہ ۱۸؍ربیع الاول ۱۱۰۱ھ چہار شنبہ بعد عصر رہ گزار عالم آخرت ہوئے، بقیع میں دفن کئے گئے، آپ کا سالِ وفات واللہ انا علی فراقک یا ابراہیم لمحزونون (۱۱۰۱) سے نکالا گیا ہے۔

شیخ محمد عابد سندھی نے لکھا ہے کہ موصوف کی تصنیفات اس لائق ہیں کہ آب چشم سے لکھی جائیں اور ان کے حاصل کرنے میں مال اور اہل وعیال سے دریغ نہ کیا جائے۔

(ماخوذ از فوائد جامعہ ص ۳۰۵ تا ۳۱۴)

آپ کے تلامذہ میں شیخ ابوالحسن سندھی الکبیر بھی ہیں جنھوں نے صحاح ستہ پر حواشی لکھے ہیں اور حرم نبوی میں ایک مدت تک درس دیا ہے، آپ کی وفات ایک قول کے مطابق ۱۱۳۹ھ میں ہوئی ہے۔

شیخ سلطان بن احمد بن سلامہ بن اسماعیل المزاحی المصری الشافعی رحمہ اللہ تعالی

ولادت ۹۸۵ھ وفات ۱۰۷۵ھ عمر شریف : ۹۰ سال

۹۸۵ھ میں مصر کی ایک بستی منیہ مزاح میں پیدا ہوئے، پہلے قرآن مجید حفظ کیا اور پھر فارسی پڑھی، سیف الدین بن عطاء اللہ سے قرآن مجید قراءت مختلفہ سے پڑھا، اور علوم نقلیہ کی تحصیل شیخ نورالدین زیادی، سالم شبشیری، احمد بن خلیل سبکی اور محمد قصری سے کی، اور علوم عقلیہ کی تکمیل تیس (۳۰) سے زیادہ علماء سے کی تھی، بیس (۲۰) برس کی عمر میں موصوف کو تدریس اور افتاء کی اجازت مل چکی تھی، تحصیل علم کے بعد جامع ازہر میں درس دینا شروع کردیا تھا۔

شیخ مزاحی کا مکان جامع ازہر سے دور باب رذیلہ کے پاس تھا مگر ان کا معمول یہ تھا کہ آخری شب میں جامع ازہر آجاتے اور طلوع فجر تک نماز میں مشغول رہتے، پھر فجر کی نماز پڑھاتے اور نماز سے فارغ ہوکر طلوع آفتاب تک طلبہ کو شاطبیہ، طیبہ اور درّہ کا درس دیتے پھر فسقیۃ الجامع جاتے، وضو کرتے اور اشراق کی نماز پڑھکر ظہر تک طلبہ کو حدیث وفقہ کا درس دیتے، دوسرے اوقات میں دوسرے علوم بھی پڑھاتے، ہر سال مختلف علوم وفنون کی دس کتابیں نہایت بحث واتقان سے پڑھاتے تھے، اسی لئے وہ فرماتے تھے: جو عالم بننا چاہے وہ میرے پاس درس میں حاضر ہو، ان کے درس کی شہرت دور دور تک تھی۔

ضعف پیری کے باوجود موصوف نماز کھڑے ہوکر ادا فرماتے تھے، قراء شیخ اور فقہاء کے مرجع تھے، ارباب فرائض اور ریاضی والوں کے پیشوا تھے، اپنے وقت کے علماء ازہر کے سردار تھے، عابد، زاہد، شب بیدار، روزہ دار اور عبادت گزار تھے، مذہب شافعی کے علمبردار تھے۔

وفات : ۲۷ر جمادی الآخرۃ ۱۰۷۵ھ کو وفات پائی، شمس الدین بابلی آپ کے شاگرد نے نماز پڑھائی، تربۃ المجاورین میں دفن ہوئے. (فوائد جامعہ ص ۳۸۵)

شیخ شہاب الدین احمد بن خلیل بن ابراہیم بن
ناصرالدین السبکی المصری الشافعی رحمہ اللہ تعالی

ولادت ۹۳۹ھ وفات ۱۰۲۳ھ عمر شریف : ۸۴ سال

۹۳۹ھ میں پیدا ہوئے اور تعلیم وتربیت تمام تر شیخ شمس الدین صفوی مقدسی شافعی سے پائی، انہی کی لڑکی سے شادی بھی ہوئی، ان کی حیات تک انکے ساتھ رہے اور استفادہ کرتے رہے .

موصوف نے شیخ شمس الدین محمد رملی سے بھی علوم کی تحصیل کی تھی، اور شیخ نجم الدین غیطی اور اس طبقہ سے حدیث پڑھی تھی، موصوف کو حدیث میں بصیرت حاصل تھی، لیکن علوم عقلیہ اور نقلیہ میں سے صرف فقہ میں زیادہ مہارت نہیں تھی .

قاضی عبدالباسط کے مدرسہ باسطیہ میں امامت اور خطابت کے فرائض انجام دیتے تھے ۲۳ر جمادی الاولی ۱۰۲۳ھ میں انتقال ہوا اور مدرسہ مذکورہ میں دفن ہوئے، موصوف کے شاگردوں میں شیخ مزاحی اور شمس الدین بابلی مشہور ہیں . (فوائد جامعہ ۳۸۷)

فوائد جامعہ میں موصوف کی سات مشہور تصنیفات کے نام درج کئے ہیں .

نجم الدین محمد بن احمد بن علی بن ابی بکر
السکندری ثم المصری الشافعی الغیطی رحمہ اللہ تعالی

ولادت ۹۱۰ھ وفات ۹۸۱ھ یا ۹۸۴ھ عمر : ۷۱ یا ۷۴ سال

محمد نام، ابوبکر کنیت، اور ابوالمواہب اور نجم الدین لقب تھا، ۹۱۰ھ میں غیط العدہ مصر میں پیدا ہوئے .

صحیح بخاری ومسلم کا سماع شیخ الاسلام زکریا انصاری سے کیا، سنن ابوداؤد کا کچھ حصہ بھی ان ہی سے سنا، ان ہی نے ان کو خرقۂ خلافت سے سرفراز کیا، سنن ابن ماجہ اور مؤطا وغیرہ کا سماع شیخ عبدالحق سنباطی سے کیا اور ان سے قراءت اور تفسیر وغیرہ کی تحصیل کی، شیخ سنباطی سے انکو افتاء اور تدریس کی اجازت بھی حاصل تھی، شیوخ مصر میں شیخ کمال الدین بن حمزہ، امین الدین بن النجار، بدرالدین مشہدی، شمس الحق الدلجی اور ابوالحسن بکری وغیرہ بھی انکے شیوخ میں سے ہیں، ان سے بھی ان کو افتاء اور تدریس کی اجازت حاصل تھی.

جب موصوف کو علوم دینیہ میں ید طولی حاصل ہوگیا تو مسند درس پر متمکن ہوئے اور پھر مدرسہ صلاحیہ اور خانقاہ سریاقوسیہ کی صدارت کے فرائض بھی انجام دیئے، ہر طرف سے لوگ آپ کے پاس تحصیل علوم کیلئے آتے تھے .

موصوف ہمیشہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فرائض انجام دیتے تھے اور امراء و حکام کو خیر کی طرف متوجہ کرتے تھے، اللہ کے معاملہ میں کسی ملامت گر کی ملامت کی پرواہ نہیں کرتے تھے .

موصوف اپنے دیار کے علی الاطلاق محدث تھے، بڑے کمالات اور محاسن اخلاق کے جامع تھے گوناگوں فضائل اور علوم کے حامل تھے، صنائع، بدائع، نظم ونثر پر بھی بڑی قدرت حاصل تھی، جب حدیث کے الفاظ زبان سے ادا کرتے تو ہر مسلمان اس امر کا اقرار کرتا تھا کہ آپ بخاری دوراں ہیں، آپ کے معجم شیوخ میں ۲۷ شیوخ کے نام ہیں۔

<u>وفات</u>: ۱۷/صفر ۹۸۱ھ کو انتقال ہوا، بعض نے ۹۸۲ھ اور بعض نے ۹۸۴ھ بھی بتایا ہے۔

<u>تصنیفات</u>: آپ کی پندرہ (۱۵) تصنیفات کا ذکر فوائد جامعہ میں کیا ہے ص ۲۷۵ تا ۲۷۸۔

شیخ الاسلام زین الدین زکریا ابن محمد بن احمد الانصاری الشافعی رحمہ اللہ تعالی

ولادت ۸۲۳ھ وفات تقریباً ۹۲۴ھ یا ۹۲۶ھ عمر: ۱۰۱ یا ۱۰۳ سال

موصوف ۸۲۳ھ میں مصر کے ایک چھوٹے سے گاؤں سنیکہ میں پیدا ہوئے، یہیں ابتدائی تعلیم ہوئی، قرآن مجید حفظ کیا اور فقہ میں مختصر تبریزی اور عمدۃ الاحکام کا کچھ حصہ یاد کیا، ۸۴۱ھ میں قاہرہ آئے، کچھ عرصہ قیام کر کے واپس چلے گئے پھر دوبارہ آئے اور جامع ازہر میں علوم اسلامیہ کی تحصیل میں مشغول ہوگئے، فرماتے ہیں جامع ازہر میں میں اکثر بھوکا رہتا تھا، رات کو نکلتا، وضو کرنے کی جگہ تربوز کے چھلکے مل جاتے انکو دھو کر کھالیتا، اسی طرح کئی برس گزر گئے، پھر اللہ تعالی نے ایک شخص کو میرے پاس بھیجا، اس نے میرے حالات دریافت کئے، پھر وہ میرے کھانے پینے کا کفیل ہوگیا اور کہا تم مجھ سے اپنے حالات نہ چھپانا جب بلاؤگے میں آجاؤں گا، اس کے ساتھ چند سال گزر گئے، ایک روز رات کو وہ آیا اور میرا ہاتھ پکڑ کر کہا اٹھو اور میرے ساتھ چلو، اس نے مجھے جامع ازہر کی سیڑھیوں پر لے

جا کر کہا اس زینہ پر چڑھو، میں چڑھ گیا، اس نے کہا اور چڑھو، میں آخر تک چڑھ گیا، پھر کہا اترو میں اتر گیا، اس نے کہا: زکریا! تم اپنے ہمسروں کے بعد مروگے، ایک زمانہ تک تم شیخ الاسلام کے عہدہ پر فائز رہوگے، تمہارے شاگرد بھی شیخ الاسلام بنیں گے اور اس وقت تم نابینا ہوگے، پھر وہ میرے پاس سے چلا گیا اور کبھی نظر نہیں آیا۔

موصوف نے تفسیر، حدیث، فقہ، اصول اور ادب کی تکمیل اس دور کے نامور علماء سے کی، تقریباً ڈیڑھ سو (۱۵۰) اساتذہ سے روایت حدیث کی اجازت حاصل کی جنکو اپنے ثبت میں نام بنام گنایا ہے، افتاء وتدریس کی اجازت بھی سینکڑوں علماء سے حاصل تھی۔

آپ کے اساتذہ میں حافظ ابن حجر عسقلانیؒ متوفی ۸۵۲ھ اور ابن ہمام کمال الدین متوفی ۸۶۱ھ جیسے مشاہیر بھی داخل ہیں۔

علوم دینیہ کی تحصیل سے فارغ ہو کر درس وتدریس کا شغل اختیار کیا، عہدۂ قضاء پر تقرر ہوا تو روزانہ تین ہزار درہم ملتے تھے، اس کے بعد نہایت عظیم الشان منصبوں پر تقرر رہا، مقام امام شافعی رحمہ اللہ تعالی میں تدریس کا عہدہ ملا جو اس زمانہ کا سب سے بڑا عہدہ تھا، مدرسہ رفیعہ اور مدرسہ خانقاہ صوفیہ میں بھی مسند درس پر فائز رہے، ۸۸۶ھ میں قاضی القضاۃ بنادیئے گئے، اور بیس برس تک اس پر فائز رہے، جب بینائی جاتی رہی اس وقت معزول ہوئے۔

مصر کا بڑا سے بڑا عالم ان کے سامنے بچہ معلوم ہوتا تھا۔ (قالہ الشعرانی)

اللہ تعالی نے شیخ کے علم وعمل، مال و دولت اور عمر ہر چیز میں برکت عطا فرمائی تھی، اللہ تعالی نے جس طرح فراوانی سے دیا تھا اسی طرح دل کھول کر راہ خدا میں دیتے تھے، علامہ شعرانی فرماتے ہیں: میں نے موصوف سے بڑھکر صدقہ خیرات کرنے والا کسی کو نہیں دیکھا، اور اس خوبی سے دیتے کہ ساتھ اٹھنے بیٹھنے والوں کو بھی پتہ نہ چلتا، بعض ناداروں کا یومیہ اور ماہانہ مقرر تھا۔

شیخ کی عمر سو(۱۰۰) سال سے زیادہ ہوئی لیکن معمولات میں فرق نہیں آیا تھا، بیماری میں بھی نوافل کھڑے ہوکر پڑھتے ،شعرانی کہتے ہیں: جب بھی میں ان کے پاس بیٹھا ایسا معلوم ہوا کہ کسی عارف صالح بادشاہ کے پاس بیٹھا ہوں .

بقول عیدروسی ۳/ذی قعدہ ۹۲۶ھ میں انتقال ہوا، ہزاروں تلامذہ نے آپ سے استفادہ کیا، آپکی بیالیس (۴۲) تصانیف کا تذکرہ فوائد جامعہ میں کیا ہے. (دیکھئے فوائد جامعہ ص ۳۴۲ تا ۳۴۹)

حافظ ابوالفضل شہاب الدین احمد بن علی بن محمد بن علی بن احمد العسقلانی ثم القاہری الشافعی ـ حافظ ابن حجر ـ رحمہ اللہ تعالی

ولادت شعبان ۷۷۳ھ وفات ذی قعدہ ۸۵۲ھ عمر:۷۹ سال

آپ شعبان ۷۷۳ھ میں پیدا ہوئے، چار سال کے تھے کہ باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا، ماں پہلے ہی انتقال کرچکی تھیں، پانچ برس کی عمر میں تعلیم شروع کی، نو برس کی عمر میں قرآن مجید حفظ کرلیا، بارہ برس کی عمر سے تراویح میں قرآن سنانا شروع کردیا، اسی سال اپنے مربی کے ساتھ جو مصر کے بڑے تاجر تھے حج کیا، ایک سال تک حرم میں رہے، اور یہیں شیخ عفیف الدین نشاوری مُسندِ حجاز سے بخاری کا سماع کیا اور دیگر مرویات کی بھی اجازت لی، اس کے بعد مختصرات علوم کو یاد کرنا شروع کیا، پھر تاریخ کا شوق ہوا اور راویوں کے حالات سے شغف ہوا .

۷۹۲ھ سے فنون ادب سے لگاؤ ہوا، اور آنحضور ﷺ کی مدح میں قصائد لکھے، رمضان ۷۹۶ھ سے حافظ عصر شیخ زین الدین عراقی سے تعلق ہوا اور دس برس تک ان کی صحبت میں رہ

کر استفادہ کیا پھر حدیث سے ایسا شغف ہوا کہ آخر تک قائم رہا، اپنے استاد مسند قاہرہ شیخ ابو اسحاق تنوخی کی سند سے سو(۱۰۰) عشاریات جمع کیں، پھر اسکندریہ کا سفر کیا، وہاں کے مشائخ سے ان کی مرویات کی اجازت لی، پھر مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، زَبید، تَعِزّ (قلعة عظيمة من قلاع اليمن المشهورات . (معجم البلدان ٣٤/٢) اورعدن وغیرہ میں بھی حدیث کا سماع کیا، یمن میں امام لغت مَجْد الدین فیروز آبادی صاحبِ قاموس اور دیگر ارباب کمال سے استفادہ کیا اور قاہرہ واپس آئے .

پھر شام کا سفر کیا اور قُطَیّہ، غزّہ، رملہ، قدس اور دمشق وغیرہ میں شیوخ عصر سے استفادہ کیا، دمشق میں سو (۱۰۰) دن رہے لیکن ایک ہزار جز کا سماع کیا، جن میں معجم اوسط طبرانی، معرفۃ الصحابہ لابن مندہ اور مسند ابی یعلی جیسی کتابیں شامل ہیں، واپس آکر تغلیق التعلیق لکھی اور بلقینی کی صحبت اختیار کر کے ان سے اجازت لی، حافظ عراقی نے بھی اجازت دیدی تو تصنیف وتالیف میں لگ گئے، ۸۰۸ھ میں اربعین متباینہ کا املاء کرایا، سو(۱۰۰) مجلسوں میں عشاریات الصحابہ املاء کرائیں، پھر مدرسہ جمالیہ میں حدیث کا درس دینا شروع کیا اور املاء بھی کرایا، یہ سلسلہ ۸۱۴ھ میں منقطع ہوا، پھر تصنیف وتالیف میں لگ گئے، ۲۷/محرم ۸۲۷ھ میں عہدۂ قضاء سپرد ہوا، ماہ صفر میں املاء کا سلسلہ شروع ہوگیا (یہ خود حافظ کی اپنی آپ بیتی ہے)

۸۱۹ھ میں جامع ازہر میں خطابت پر مامور ہوئے تھے، ابواسحاق تنوخی سے بخاری، ترمذی، نسائی، مؤطا مالک، دارمی، اور صحیح ابن حبان کا سماع کیا، اس طرح حافظ نے حدیث میں ایسا کمال بہم پہونچایا کہ انکے شیوخ واساتذہ بھی انکی حدیث دانی کے معترف تھے، حافظ عراقی نے اپنی جانشینی کیلئے تین نام لئے: ابن حجر، میرا فرزند ابوزرعہ، پھر ہیثمی، حافظ ابن حجر کو اسماء رجال اور حفظ حدیث میں نہایت بلند مقام حاصل تھا لیکن فقہ حدیث میں نہیں، فقہ حدیث میں خطابی اور نووی کا مقام اونچا ہے، حافظ اس باب میں فقط ناقل ہیں (قالہ الکشمیری)

علماء کو شکایت ہے کہ حافظ نے علماء کے ساتھ تذکرہ نگاری میں انصاف سے کام نہیں لیا ہے، اس کی شکایت بقاعی، سخاوی، اور حاجی خلیفہ نے کی ہے، احناف کے باب میں خصوصا یہ شکایت ہے۔

وفات : ۸۵۲ھ ذی قعدہ میں پیچش کی شکایت میں ایک ماہ مبتلا رہ کر انتقال فرمایا۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ، تذکرہ نگاروں نے حافظ کے بارے میں بہت بلند الفاظ سے خراجِ عقیدت پیش کیا ہے۔ (ماخوذ از فوائد جامعہ ص ۴۳۷ تا ۴۴۳)

حافظ ابن حجر کی تالیفات کی تعداد بقول سیوطی ۱۸۶ ہے۔ (ظفر المحصلین ۱۸۶)

شیخ صلاح الدین محمد بن احمد بن ابراہیم بن عبداللہ
ابن ابی عمر المقدسی الصالحی الحنبلی

نام: نام محمد بن احمد، لقب صلاح الدین، نسبت مقدسی، صالحی، مذہب حنبلی۔

ولادت : ۶۸۴ھ میں پیدا ہوئے، وقت کے نامور علماء سے علوم دینیہ کی تکمیل کی۔

وفات : ۷۸۰ھ میں انتقال ہوا، عمر شریف ۹۶ سال، قاسیون کے دامن میں قبرستان میں دفن ہوئے۔

اساتذہ : محدث تقی الدین ابراہیم واسطی، شمس الدین محمد، اسماعیل فراء، احمد بن عبدالمؤمن صوری، اور عیسی مغاری سے حدیثوں کا سماع کیا، فخر الدین ابن البخاری سے صحیح مسلم، شمائل ترمذی، المنتقی الکبیر من الغیلانیات اور مسند احمد کا بیشتر حصہ سنا۔
ابوالفتح ابن المجاور، زینب بنت مکی، زینب بنت العلم، اور عبدالرحمٰن بن احمد وغیرہ سے بھی

روایتِ حدیث کی اجازت لی، پھر اپنے دادا کے مدرسہ میں درس دینا شروع کیا اور اسی مدرسہ میں امامت کے فرائض انجام دیتے رہے۔

لمبی زندگی ملی، اپنے زمانہ کے مُسنِد ہوگئے، اپنی اکثر روایات اور مشائخ میں متفرد تھے، حدیث کے سننے میں بہت صبر کرنے والے اور حدیث سے محبت رکھتے تھے، انکے انتقال سے لوگ ایک درجہ نیچے ہوگئے، فخر بخاریؒ سے براہ راست اور اجازت خاصہ سے روایت کرنے والے یہ آخری شخص تھے، ان کے اور آنحضرت ﷺ کے درمیان متصل سماع اور صحیح شرط کے ساتھ ۹ واسطے تھے، یہ آخری ایسے شخص تھے، انکے بعد کوئی ایسا نہ ہوا، حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں: انھوں نے اپنے زمانہ کے تمام لوگوں کو روایت حدیث کی اجازت دی تھی خصوصا مصر کے لوگوں کو، میں بھی ان میں داخل ہوں، مجھے خاص اجازت نہیں ملی حالانکہ ممکن تھا۔ واللہ المستعان، آخری ان کے شاگرد برہان سبط ابن العجمی ہیں۔ (درر کامنہ ج ۳ ص ۳۰۵)

لوگ ان کی طرف سفر کر کے پہونچے اور ایک دوسرے پر ٹوٹ پڑے اور خوب روایت کی، موصوف دیندار، نیک صالح تھے، خوب اچھی طرح حدیث سناتے تھے، نرم دل تھے، بہت رونے والے تھے، جب حدیث پڑھی جاتی یا آنحضرت ﷺ کا نام آتا تو آنسو کو روک نہیں سکتے تھے، پچاس (۵۰) سال سے زیادہ حدیث کا درس دیا۔ (شذرات الذہب ج ۶ ص ۲۶۸)

(فوائد جامعہ ۴۶۰)

علی بن عبدالواحد بن احمد بن عبدالرحمٰن بن قدامہ
المقدسی الحنبلی فخر الدین ابن البخاری رحمہ اللہ تعالی

ولادت ۵۹۶ھ وفات ۶۹۰ھ عمر : ۹۴ سال

علی نام، ابوالحسن کنیت، فخر الدین لقب، اور ابن البخاری عرف ہے، آپ کے والد شیخ

احمد ایک زمانہ تک بخاری میں فقیہ رضی الدین نیشاپوری سے مناظرہ کرتے رہے، اسلئے ابن البخاری سے مشہور ہوئے۔

ابن البخاری ۵۹۶ھ میں پیدا ہوئے، علوم وفنون کی تکمیل اس عہد کے نامور علماء سے کی، اور مشائخ وقت سے حدیث پڑھی، علو اسناد اور زہد وقناعت میں یکتائے زمانہ تھے۔

ابن کثیر نے لکھا ہے: عمر دراز مسند جنھوں نے کثرت سے سفر کیا فخر الدین ہیں، موصوف نے کثرت سے سنا، اہل وعیال کے ساتھ سفر کیا، صالح، عابد، زاہد، متقی اور مرتاض بزرگ تھے، طویل عمر کی وجہ سے بہت سی روایتوں میں منفرد تھے، انکے مشیخ لکھے گئے اور ان سے بڑی مخلوق اور انبوہ کثیر نے سماع کیا وہ اسی غرض سے جمے بیٹھے رہے، یہاں تک کہ بوڑھے اور عمر دراز ہوگئے اور اتنے ضعیف ہوگئے کہ حرکت نہیں کرسکتے تھے، ان کے عمدہ اشعار میں سے یہ شعر ہیں ؎

تکرّرتِ السِنونَ علَیّ حتی   بلیتُ وصِرتُ من سَقطِ المَتاعِ

ترجمہ: عمر درازی کی وجہ سے کمزور اور بیکار ہوگیا ہوں۔

قلّ النفعُ عندی غیرَ أنی   أُعلّل بالروایة و السماعِ

ترجمہ: میرے یہاں کوئی نفع نہیں ہے، بس میں روایت سے دل بہلاتا ہوں۔

فان یّک خالصا فله جزاء   وان یّک مالقا فالَیّ ضیاعُ

ترجمہ: اگر اس میں خلوص ہے تو اسکا اجر ملے گا اور اگر چاپلوسی ہے تو میرا ہی نقصان ہے۔

موصوف نے اپنے شیوخ میں سے ۲۵ محدث اور محدثہ کا تذکرہ کیا ہے، آپکی تالیفات میں اسنی المقاصد اور اعذب الموارد بہت مشہور ہے جس میں ان شیوخ کا ذکر ہے۔

وفات: ربیع الاول ۶۹۰ھ میں انتقال ہوا، اپنے والد کے پاس قاسیون دمشق میں مدفون ہیں۔ (فوائد جامعہ ۴۶۱)

مؤید بن محمد بن علی بن حسن نیشاپوری طوسیؒ

ولادت ۵۲۴ھ   وفات ۶۱۷ھ

مؤید نام، رضی الدین لقب، اور ابو الحسن کنیت ہے، طوسی سے مشہور ہیں۔

ولادت: ۵۲۴ھ میں اپنے آبائی وطن طوس میں پیدا ہوئے، علوم دینیہ کی تحصیل کی اور بڑا کمال حاصل کیا، فن قراءت اور علم حدیث میں ید طولی حاصل کیا، صحیح مسلم کا سماع فقیہ حرم محمد بن فضل فرادی نیشاپوری شافعیؒ سے کیا۔

ابن خلّکان متوفی ۶۸۱ھ موصوف کے شاگرد ہیں، وفیات الاعیان میں لکھتے ہیں:

''شیخ ابو الحسن مؤید متاخرین میں سب سے اعلی اسناد کے حامل تھے، بڑے محدثین سے ملے اور ان سے علم حاصل کیا، فقیہ ابوعبداللہ محمد بن فضل فُرادی سے صحیح مسلم کا سَماع کیا، اور انکے شاگردوں میں سب سے آخر میں یہی رہ گئے تھے، بہت حدیثیں بیان کیں اور مختلف اطراف سے لوگ ان سے سننے کیلئے آئے، مجھے بھی ان سے روایتِ حدیث کی اجازت حاصل ہوئی، والد صاحب کی درخواست پر خراسان سے ۶۱۰ھ میں سند لکھ کر بھیجی تھی، انکی شہرت اور آخری دور میں متفرد ہونے کی وجہ سے میں نے انکا تذکرہ کیا ہے۔ (وفیات الاعیان ج۴ ص۴۲۷)

امام ذہبی متوفی ۷۴۸ھ نے آپ کو مسندِ خراسان کے نام سے یاد کیا ہے اور لکھا ہے ۹۲ سال کی عمر میں انتقال ہوا۔

ابن العماد متوفی ۱۰۸۹ھ نے شذرات الذہب ۵/۷۸ میں المُقری مُسنِد خراسان کے نام سے یاد کیا اور لکھا ہے کہ نیشاپور میں علو اسناد آپ پر ختم ہوگئی، مختلف علاقوں سے لوگ سفر کرکے آپ کے پاس آئے۔ اھ

موصوف کے شاگردوں کی تعداد بہت زیادہ ہے، ابن البخاری، یاقوت رومی، ابن خلکان جیسے نامور علماء بھی ان میں داخل ہیں ۔

موصوف کی تالیفات میں سے کتاب طریقۃ الخلاف زیادہ مشہور ہے ۔

(فوائد جامعہ ۴۶۳)

محمد بن فضل بن احمد بن محمد بن احمد بن ابی العباس
الصاعدی الفُراوی النیسابوری الشافعیؒ

نام محمد ہے اور فقیہ الحرم عرف ہے ۔

ولادت ۴۴۰ھ یا ۴۴۱ھ میں نیشاپور میں ہوئی ۔

وفات ۵۰۳ھ میں ۹۰ برس کی عمر میں وفات ہوئی ۔

اساتذہ : امام الحرمین ابوعلی جوینی سے فقہ اور اصول فقہ کی تعلیم پائی، تصوف کی تحصیل مشہور صوفی ابوالقاسم قُشیری سے کی، حافظ ابوبکر احمد بن حسین بیہقی، ابوعثمان اسماعیل صابونی، ابوحفص عمر بن احمد بن محمد، ابوبکر محمد بن قاسم صفار، ابواسحاق ابراہیم شیرازی وغیرہ سے صحاح ستہ اور مسانید کی سماعت کی، ۴۴۸ھ میں محدث عبدالغافر فارسی سے صحیح مسلم کا سماع کیا، جب اصول، فقہ اور حدیث وغیرہ میں مہارت پیدا ہوگئی تو مدرسۂ ناصحیہ میں جو اس وقت کا مشہور مدرسہ تھا مسند درس کو زینت بخشی ۔

طبیعت میں ایثار، تواضع، قناعت اور خداترسی تھی، کتابت کر کے اپنا کام چلاتے، دور دور سے طلبہ آتے اور ان سے حدیثوں کا سماع کرتے ۔

حج کرنے کیلئے جب نیشاپور سے حرمین آئے تو راستہ میں فقہ وحدیث کا درس جاری رہا،

اہل بغداد اور اہل حرمین کو ان سے بہت فائدہ ہوا، خصوصاً حرمین شریفین میں فقہ وحدیث اور قال اللہ، قال الرسول کا خوب چرچا ہوا، یہاں علم کی نشر واشاعت کی وجہ سے ان کو فقیہ حرم کے نام سے شہرت ہوئی ۔

حافظ ابوالقاسم ابن عساکر موصوف کے شاگردوں میں ہیں، دو دفعہ ان کے پاس گئے، دوسری دفعہ سال بھر ان کی خدمت میں رہے، اور خوب استفادہ کیا، اس دوران شیخ بہت بیمار ہوگئے ڈاکٹر نے پڑھانے سے منع کر دیا کہ مرض بڑھ سکتا ہے، پھر بھی بستر پر لیٹے لیٹے حدیثیں سنتے تھے اور فرماتے تھے کہ مجھے دنیا میں ان شاگردوں کیلئے روکا گیا ہے میں ان کو کیسے منع کروں پھر اللہ تعالی نے شفاء دیدی. (تاریخ ابن عساکر بحوالہ شرح مسلم لنوویؒ ص ۱۱)

موصوف مناظر، محدث، واعظ اور اہل علم کی تعظیم اور اکرام کرنے والے تھے ۔

ابن کثیر نے بھی ان کا تذکرہ کیا ہے، البدایہ والنہایہ میں لکھتے ہیں: موصوف نے بہت سے مشایخ سے سنا، فقیہ ہوئے، مفتی ہوئے، خوبصورت، بہت تبسم کرنے والے تھے، اچھے برتاؤ والے، ظریفانہ مزاج کے تھے، ایک ہزار سے زیادہ مجلسوں میں املاء کرایا، یہاں تک کہ کہا جانے لگا: '' للفراوی الف راوی '' فراوی کے ہزار شاگرد ہیں، صحیح مسلم تقریبا بیس مرتبہ پڑھ کر سنائی. (البدایہ ۱۲/۲۱۰)

فُراوہ' نساء کے اطراف میں دہستان اور خوارزم کے درمیان ایک چھوٹا سا شہر تھا، ان کے والد فراوہ کی سرحد پر آباد تھے پھر نیشاپور میں مقیم ہوگئے، فراوہ میں فتحہ زیادہ مشہور ہے، ضمہ بھی جائز ہے ۔

آپ کی تالیفات میں کتاب فی المذھب، اور المجالس المکیہ زیادہ مشہور ہیں ۔

۹۰ برس کی عمر میں ۵۰۳ھ میں وفات ہوئی اور حافظ محمد بن اسحاق بن خزیمہ کے پاس مدفون ہیں ۔ (فوائد جامعہ ۴۶۶)

امام نوویؒ نے لکھا ہے فراوہ خراسان کی سرحد پر ایک چھوٹا شہر ہے. (مقدمہ شرح مسلم ۱۱)

امام ابوالحسین عبدالغافر بن محمد فارسی الفسوی النیسابوری التاجر

ولادت ۳۵۳ھ وفات ۴۴۸ھ

۳۵۳ھ میں پیدا ہوئے، اس زمانہ کے مشہور فقہاء اور محدثین سے علوم کی تحصیل کی، ۳۶۵ھ میں محدث جلودی سے صحیح مسلم کا سَماع کیا، پھر حدیث کا درس دینا شروع کیا، گزر بسر کا ذریعہ تجارت تھی، علو اسناد میں یکتائے زمانہ تھے، پنچانوے (۹۵) سال کی عمر پائی، بڑے بڑے محدثین ان سے روایت کرنا باعث افتخار سمجھتے تھے، دور دور سے لوگ ان سے حدیث سننے کیلئے آتے تھے.

حافظ حسن سمرقندی نے ان پر صحیح مسلم تیس (۳۰) مرتبہ سے زیادہ پڑھی اور ابوسعید بَحیری نے بیس (۲۰) مرتبہ سے زیادہ پڑھی، جن مشہور ائمہ نے ان پر حدیث پڑھی ان میں زین الاسلام ابوالقاسم قُشیری اور واحدی ہیں.

پچپن (۵۵) سال تک پڑھاتے رہے، پوتوں کو داداؤں سے ملا دیا (سند میں انکے برابر کردیا)، شیخ صالح، پاکباز تھے، دین ودنیا سے اچھا حصہ پایا تھا، انکی سماعات اگرچہ کم تھیں لیکن اللہ تعالی نے انکے سماع اور روایت میں بہت برکت دی، اپنے زمانہ میں صحیح مسلم اور غریب خطابی کی روایت میں مشہور تھے، خطابی وغیرہ سے سنا تھا، رحمہ اللہ تعالی رحمۃ واسعۃ

۵/شوال بروز منگل ۴۴۸ھ میں ۹۵ سال کی عمر میں انتقال ہوا، بدھ کو دفن کئے گئے.

(فوائد جامعہ ص۴۶۷ و مقدمۂ مسلم للنووی ص۱۲)

محمد بن عیسی بن محمد بن عبدالرحمٰن بن عمرویہ بن منصور
الجُلودی النیسابوری السفیانی رحمہ اللہ تعالی

ولادت ۲۸۸ھ وفات ۳۶۸ھ عمر ۸۰ سال

نام محمد، کنیت ابو احمد، عرف الزاہد نسبت سفیانی.

۲۸۸ھ میں ولادت ہوئی، اس زمانہ کے علماء سے تحصیل علوم کرکے کامل بنے، فقہ، حدیث اور تصوف میں خصوصیت کے حامل تھے.

امام نوویؒ شرح مسلم کے مقدمہ میں لکھتے ہیں: حاکم ابوعبداللہ نے فرمایا: یہ ابواحمد جُلودی نیک، زاہد شیخ تھے، بڑے عبادت گزار صوفیہ میں سے تھے، اور بڑے بڑے مشائخ حقیقت کی صحبت میں رہے، کتابیں لکھتے تھے اور اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھاتے تھے، ابوبکر ابن خزیمہ اور ان سے پہلے کے لوگوں سے سنا، سفیان ثوری کا مذہب اختیار کرتے تھے اور اسکو جانتے تھے (اسلئے سفیانی کہلائے)، انکی وفات سے صحیح مسلم کا سماع ختم ہوگیا، انکے بعد جو لوگ ابراہیم بن محمد بن سفیان وغیرہ سے نقل کرتے ہیں وہ ثقہ نہیں ہیں. (مقدمۂ شرح مسلم ۱۲)

سمعانی نے لکھا: موصوف نے ابوبکر محمد بن اسحاق بن خزیمہ، احمد بن ابراہیم بن عبداللہ اور ابراہیم بن محمد بن سفیان وغیرہم سے سنا، ان سے حاکم حافظ ابوعبداللہ اور بہت سے لوگوں نے سنا، ان میں آخری ابوالحسن غافر بن محمد بن غافر فارسی ہیں.

۲۴/ذوالحجہ منگل ۳۶۸ھ میں اسی (۸۰) سال کی عمر میں انتقال ہوا، مقبرۂ حیرہ میں دفن ہوئے، انکے بعد جو بھی صحیح مسلم کو ابراہیم بن محمد کی سند سے روایت کریگا وہ انکا محتاج ہوگا.

موصوف نے ابن مجاہد (قاری) سے قراءت پڑھی تھی. (فوائد جامعہ ۴۶۹)

جُلودی امام نوویؒ کے نزدیک صرف ضمہ کے ساتھ ہے، چمڑے والوں کی گلی میں رہتے تھے اسلئے انکو جُلودی کہتے ہیں، جَلود ٗ افریقہ میں کوئی جگہ ہے، جیم کے فتحہ کے ساتھ جیسا کہ ابن السکیت اور ابن قتیبہ نے کہا لیکن یہ ابواحمد اس کی طرف منسوب نہیں ہیں. (مقدمہ ۱۲)

ابراہیم بن محمد بن سفیان نیشاپوری حنفی ابواسحاق

ولادت　　　وفات ۳۰۸ھ

امام نوویؒ لکھتے ہیں: ابواسحاق سید جلیل، فقیہ، زاہد، مجتہد، عابد تھے، حاکم ابوعبداللہ البَیِّع فرماتے ہیں کہ میں نے محمد بن یزید سے سنا، فرماتے تھے کہ ابراہیم بن محمد مستجاب الدعوات تھے، حاکم نے فرمایا: میں نے ابوعمرو بن نجید کو سنا، فرماتے تھے کہ ابراہیم صالحین میں سے تھے، حاکم فرماتے ہیں: ابراہیم بن سفیان عُبّاد مجتہدین میں سے تھے، امام مسلمؒ کے ساتھ لگے رہتے تھے، اور ایوب بن حسن الزاہد صاحب الرائے فقیہ حنفی کے شاگردوں میں سے تھے، ابراہیم نے حجاز، نیشاپور، ری اور عراق میں حدیث سنی.

ابرہیم فرماتے ہیں کہ امام مسلمؒ ہم کو صحیح مسلم کی قراءت سے ۲۵۷ھ میں رمضان میں فارغ ہوئے.

حاکم فرماتے ہیں کہ ابراہیم کا رجب ۳۰۸ھ میں انتقال ہوا، رحمہ اللہ تعالی ورضی عنہ.

(مقدمۂ شرح مسلم ص۱۲)

ایوب بن حسن متوفی ۲۵۱ھ نیشاپور کے حنفی فقیہ تھے، امام محمد بن حسن شیبانیؒ کے ممتاز شاگرد، حافظ ذہبی نے العبر فی اخبار من غبر میں لکھا ہے کہ موصوف نے محمد بن رافع سے حدیث روایت کی اور سفر کیا، بغداد، کوفہ اور حجاز میں حدیث سنی، کہا گیا ہے کہ ابراہیم مستجاب

الدعوات تھے. (۱۳۶/۲) (فوائد جامعہ ص ۴۷۱ اور الجواہر المضیۃ ۱۶۴/۱)

فائدہ: رجال سند کا تذکرہ کرنے کے بعد امام نوویؒ شرح مسلم کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

صحیح مسلم نہایت مشہور ہے اور اس کا امام مسلم کی تصنیف ہونا فی الجملہ متواتر اور قطعی ہے، لیکن اسناد متصل سے مروی ہونے کے لحاظ سے اس کی سند ہمارے زمانہ اور علاقہ میں ابواسحاق ابراہیم بن محمد بن سفیان پر منحصر ہے، صرف انہی سے امام مسلم سے یہ کتاب روایت کی جاتی ہے.

بلاد مغرب میں اس سند کے علاوہ ابومحمد احمد بن علی قلانسی سے بھی روایت کی جاتی ہے، وہ صحیح مسلم کو امام مسلمؒ سے نقل کرتے ہیں.

ابراہیم بن محمد سے کئی لوگ نقل کرتے ہیں، ان میں ایک جلودی ہیں، اور جلودی سے کئی لوگ نقل کرتے ہیں،، ان میں ایک فارسی عبدالغافر ہیں، ان سے بھی ایک جماعت روایت کرتی ہے ان میں ایک فُرادی ہیں، ان سے بہت سے لوگ، ان میں ایک منصور ہیں، ان سے بہت سے لوگ، ان میں ہمارے شیخ رضی الدین ابواسحاق ہیں. (ص۱۲)

شیخ ابوعمرو ابن الصلاح فرماتے ہیں: قلانسی کی روایت صرف مغرب میں ہے، کہیں اور نہیں، وہاں یہ روایت ابوعبداللہ محمد بن یحیی بن حذاء تمیمی قرطبی وغیرہ کے ذریعہ پہونچی، ان لوگوں نے مصر میں ابوالعلاء عبدالوھاب بن عیسی بن عبدالرحمٰن بن ماھان بغدادی سے سنا، انھوں نے ابوبکر احمد بن محمد بن یحیی اشقر سے جو شافعی فقیہ تھے، انھوں نے ابومحمد قلانسی سے، انھوں نے امام مسلم سے، صرف آخر کتاب کے تین اجزاء نہیں سنے، اس کی ابتداء افک کی طویل حدیث سے ہوتی ہے، ان کو ابوالعلاء بن ماھان ٗ ابواحمد جلودی سے نقل کرتے ہیں، وہ ابوسفیان سے، وہ امام مسلمؒ سے. رحمہم اللہ تعالے. (مقدمہ نووی ص۱۲)

مراجع و مصادر

الاتصال و الانقطاع : شیخ ابراهیم اللاحم — الأنساب للسمعانی

اجماع المحدثین : شیخ شریف حاتم عونی — الاعلام للزرکلی

الانصاف فی بیان سبب الاختلاف : ولی الله الدهلویؒ

البدایة والنهایه لابن کثیرؒ — بستان المحدثین اردو: مولانا شاہ عبدالعزیز دہلویؒ

بیس (۲۰) بڑے مسلمان : مولانا رشید ارشدؒ — تاریخ جامعہ ڈابھیل (مولانا فضل الرحمٰن)

پیکر مہر ووفاء (حالات مولانا عبدالجبار اعظمیؒ): مولانا مسعود اعظمی مدظلہ — تاریخ دارالعلوم دیوبند

التاریخ الکبیر للامام البخاریؒ — تاریخ بغداد : للخطیب البغدادیؒ

تحقیق اسمی الصحیحین و اسم جامع الترمذی : شیخ عبد الفتاح ابوغدةؒ

تدریب الراوی للسیوطیؒ — تذکرة الحفاظ للذهبیؒ

تکمله فتح الملهم : مفتی محمد تقی عثمانی — تهذیب الکمال للمزیؒ

تهذیب التهذیب لابن حجرؒ — الجامع الصحیح للامام البخاریؒ

الجامع الصحیح للامام مسلمؒ — الجامع للترمذیؒ مع العرف الشذی

جامع بیان العلم و فضله : لابن عبد البر المالکیؒ

حاجة القاری مقدمۂ صحیح بخاری للنوویؒ

حسن التقاضی فی سیرة الامام ابی یوسف القاضی للکوثریؒ

الحطه بذکر الصحاح السته : لصدیق احمد خان

الحل المفهم لصحیح مسلم للشیخ الکنکوهیؒ — الدرر الکانة لابن حجرؒ

حیات ابوالمآثر (سوانح حیات محدث اعظمیؒ) : مولانا مسعود اعظمی مدظلہ

رد المحتار (الشامی) ابن عابدین الشامی — سیر أعلام النبلاء للامام الذهبیؒ

السَنن الأبین فی المحاکمة بین الامامین فی السند المعنعن لابن رُشید الفهری

شذرات الذهب لابن رجب الحنبلی — شرح نخبة الفکر لابن حجرؒ

شروط الائمة الخمسة للحازمی وحاشیة الکوثری

صحیح مسلم طبع دار ابن رجب

طبقات الشافعیة الکبری للسبکیؒ — العناقید الغالیة : مولانا محمد عاشق الهیؒ

ظفر الأمانی شرح مختصر الجرجانی لعبد الحئی اللکهنویؒ

عوارف المنن مقدمۂ معارف السنن : مولانا محمد یوسف بنوریؒ — فوائد جامعہ برعجالۂ نافعہ

فتح الباری شرح البخاری : للشیخ ابن حجر العسقلانیؒ

فقه أهل العراق وحدیثهم : للامام الکوثریؒ — کشف الظنون لکاتب چلپی

فیض الباری للامام الکشمیریؒ — الکوکب الدری للشیخ الکنکوهیؒ

لامع الدراری : للشیخ گنگوہی و الشیخ محمد زکریاؒ

ما تمس الیه الحاجة : مولانا محمد عبد الرشید النعمانیؒ

محدثین عظام اوران کی کتابوں کا تعارف : مولانا سلیم اللہ خاں صاحب مدظلہ

معجم البلدان للحمویؒ — ملفوظات مولانا محمد الیاس دہلویؒ

مستدرک علی الصحیحین للحاکم — مقدمة النووی لشرح مسلم

مقدمة فتح الملهم علامه عثمانیؒ — مقدمة الدیباج شرح مسلم

الموقظه للذهبی و هامشه لعبد الفتاح أبوغده — ناظورة الحق للمرجانیؒ

النافع الکبیر لمن یطالع الجامع الصغیر للکهنویؒ

النکت علی ابن الصلاح لابن حجرؒ — وفیات الأعیان لابن خلّکان

هدی الساری مقدمه فتح الباری : حافظ ابن حجرؒ